تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

۴ شعبان ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۶۴ع

ایڈیٹر سید محمد الحسنی

معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ

سات روپیے

فی پرچہ ۳۰ پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

Regd No. L 1981

AMEER-E-HAYAT

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا سامنے رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور مکمل ترین ذریعہ بنتی ہے دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلبہ کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو عالم عرب میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۵۵ / حصہ دوم ۷۵ / حصہ سوم ۱/۵۵

القراءۃ الراشدۃ (۳ حصے)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے تجربہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ۔ حصہ دوم ۔ حصہ سوم ۔

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیا تھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام و مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں، نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت ۔

مختارات

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڈھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول ۔ حصہ دوم ۔

Cover Printed at Nadwatul Ulama Press LUCKNOW

پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات لکھنؤ
جلد ۲
نمبر ۳
سالانہ ۷/۰ روپے
فی پرچہ ۳۰ پیسے
شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۰؍ دسمبر ۱۹۶۴ء مطابق ۴؍ شعبان ۱۳۸۴ھ

بیداری کے آثار

قربانی اور جد و جہد کے ساتھ اخلاص کی ضرورت!

خونِ رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
میخانۂ حافظ ہو کہ بُت خانۂ بہزاد

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

سعید الرحمٰن الاعظمی

گزشتہ دنوں بہار و اڑیسہ اور مغربی بنگال کے مختلف شہروں میں مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹی اس نے پوری قوم میں ایک عام توجہ اور بیداری کی فضا پیدا کر دی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ۸۔ ۹ اگست ۱۹۶۴ء کو لکھنؤ میں مسلم مجلس مشاورت منعقد ہوئی، جس میں مسلمانوں کے تحفظ و بقاء اور ان کے اس ملک میں ایک زندہ و فعال قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا گیا، آئے دن ہونے والے فسادات کی مذمت کی گئی، اور مسلم دشمنی کے جذبات کو ملک و قوم کے لئے خطرناک بتایا گیا، مجلس مشاورت نے متعدد قرار دادوں کے ذریعہ حکومت کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ مسلمانوں کے دستور میں دئے گئے حقوق کی پامالی کا دروازہ بند کر دینا چاہیے، اور ان کو اسی ملک کا ایک ایسا قومی عنصر شمار کرنا چاہیے جس نے ملک کی آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور جنگ آزادی میں جس کا کارنامہ سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

مجلس مشاورت نے صرف قرار دادوں اور تجاویز پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک کے مختلف مقامات کا دورہ شروع کیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ ان علاقوں میں جہاں مسلمان مایوسی اور حد درجہ کی بے اعتمادی کا شکار ہو گئے تھے۔ ان میں آس اور اُمید کی شمع پھر روشن ہوئی، اور ایک بڑی حد تک ان میں اعتماد کی فضا بحال ہوئی، ان کو یہ بات بالکل صاف محسوس ہوئی کہ مایوس ہو کر بیٹھ رہنا بالکل غلط ہے، اور موہوم خطرات کے پیش نظر خود اعتمادی کو ختم کر کے آخری وقت کا انتظار شروع کر دینا زبردست حماقت اور انتہائی بزدلی کی بات ہے۔

مجلس مشاورت کا اگر کوئی کارنامہ نہ ہو تو یہی اس کا سب سے بڑا اور روشن کارنامہ ہے، اگر ہمارے ملک کے مسلمانوں میں پست ہمتی، بے اعتمادی اور مایوسی کی فضا ختم ہو کر بلند ہمتی، خود اعتمادی اور حوصلہ مندی کی فضا پیدا ہو جائے، وہ اپنے آپ کو ایک متحرک اور زندہ قوم کی حیثیت سے ملک کے سامنے پیش کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان پر ایسی ایسی قیامتیں ٹوٹتی رہیں جو رُڑکیلا، جمشید پور کلکتہ اور رائے پور کی یاد پھر تازہ کر سکیں۔

مسلم کش فسادات اور بالخصوص بہار و اڑیسہ کی دردناک تباہی اور لرزہ خیز قیامت نے جہاں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم

پر جمع ہونے اور اپنے درد کا درماں سوچنے پر آمادہ کیا، وہیں بیادرانِ وطن کے اس شریف و انسانیت نواز عنصر کو بھی ظلم و بے دردی کے اس خونیں ڈرامہ نے چونکایا اور انھوں نے اس سیلاب کو روکنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں، اور مسلمانوں کے دوش بدوش اس مہم کو آگے بڑھانے کے لئے تیار ہوئے۔

غالباً اسی ہمدردی و تعاون کے نتیجہ میں ۲۹-۳۰ نومبر ۱۹۶۴ء کو دہلی میں آل انڈیا قومی جمہوری کنونشن کا انعقاد ہوا، اس کا بھی مقصد یہی ہے کہ وہ ملک کی اس ناخوشگوار فضا کو بدلے اور مسلمان اقلیت پر ہونے والے مظالم اور ناانصافیوں کا انسداد اور خاتمہ کرے، اور اس تحریک یا عنصر کو دبائے جو فرقہ پرستی کو ہوا دیتی ہو اور جس سے ملکی اتحاد کا شیرازہ منتشر ہونے کا اندیشہ ہو، نیز ملکی اتحاد اور جذباتی ہم آہنگی کی فضا پورے ملک میں پیدا ہو۔

بلا شبہ یہ مقصد بہت نیک اور مبارک ہے، لیکن اس کو بروئے کار لانے اور اس کو عملی شکل میں ملک میں نافذ کرنے کے لئے بے پناہ جدوجہد، بے انتہا کوشش اور پورے اخلاص کی ضرورت ہے اگر اخلاص، قربانی اور جدوجہد کے جذبہ سے کام شروع کیا گیا، اور اس کے لئے اسی طرح دوڑ دھوپ اور کوشش شروع کی گئی جس طرح مجلس مشاورت نے شروع کی ہے تو امید ہے کہ یہ کوشش بھی نتیجہ خیز ثابت ہوگی، اور اس سے نہ صرف ملک کے مسلمانوں بلکہ پورے ملک کو فائدہ پہونچنے کی توقع ہے۔

اس وقت مسلم قوم کے سامنے صرف یہی ایک مسئلہ نہیں ہے کہ فسادات اور عام قتل و غارت کا سلسلہ بند ہو جائے، بلکہ سب سے بڑا مسئلہ اس وقت ان کی صحیح اور مخلص قیادت کا ہے۔ اگر یہ چیز حاصل ہوگئی اور مسلمانوں کی قیادت کی باگ ڈور کسی ایسے ہاتھ میں آئی جو محبِ وطن ہونے کے ساتھ ساتھ محبِ انسانیت مخلص اور بے لوث ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وقت کا ایک بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا، اور مسلمانوں کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو وہ سنبھال سکے گا۔

ہم کو یقین ہے کہ اگر یہ کام اس نقطۂ نظر سے شروع کیا گیا تو خواہ مجلس مشاورت ہو یا قومی جمہوری کنونشن ہر ایک کے لئے یہ میدان خالی ہے، بلکہ وہ اپنے رہنما اور قائد کا منتظر ہے، مقصد کے اعتبار سے دونوں جماعتوں کا مطمحِ نظر ایک ہے، اور کسی ایک لئے دوسرے میں کوئی تضاد نہیں ہے، طریقۂ کار میں اختلاف کے باوجود بنیادی مقصد میں اتحاد، ہم آہنگی اور پورا اتفاق کامیابی کا پیش خیمہ ہے۔

اب جبکہ ملک میں بجائے ایک مجلس مشاورت کے جمہوری کنونشن بھی موجود ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ ملک کی فرقہ وارانہ فضا کے بدلنے اور مسلمانوں میں قومی شعور بیدار کرنے اور خود اعتمادی و بلند حوصلگی کا جذبہ پیدا کرنے میں ہر ایک کو دوسرے سے بڑی مدد ملے گی اور ہر ایک کے لئے دوسرے کا وجود تقویت کا باعث ہوگا، خدا کرے ہماری یہ تمنا بر آئے۔

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

(اقبال)

دارالمصنفین کی جوبلی

ملک کا مشہور و نامور علمی ادارہ دارالمصنفین اعظم گڑھ فروری میں اپنی پچاس سالہ جوبلی منا رہا ہے اس جوبلی میں پورے ملک کے علمی اداروں اور شخصیات کا تعاون اور ان کی شرکت متوقع ہے۔ یہ پہلا موقع ہوگا جبکہ دارالمصنفین اپنی پچاس سالہ علمی اور تحقیقی خدمات کو ملک کے سامنے اس طرح پیش کرے گا، اور علمی و تحقیقی میدان میں اپنی بیش بہا اور محققانہ خدمات کا ہندوستان کے تمام علمی حلقوں سے خراجِ تحسین حاصل کرے گا۔

یہ ادارہ ۱۹۱۴ء میں علامہ شبلی نے قائم کیا تھا، لیکن علامہ اس کے تھوڑی ہی مدت بعد رحلت فرما گئے، تو مولانا حمید الدین فراہی نے اس پودے کی آبیاری کی اور پھر علامہ سید سلیمان ندوی نے اس کو پروان چڑھایا دارالمصنفین صرف ایک علمی اور تحقیقی ادارہ ہی نہیں ہے، بلکہ وہ اسی کے ساتھ ایک ایسی تربیت گاہ بھی ہے جہاں بالغ نظر اور پختہ مصنفین کی جماعت تیار ہوتی رہتی ہے، تصنیف و تالیف کا ذوق اور بحث و تحقیق کی نظر پیدا کرنے کے لئے اس ادارے نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں، اور کتنی ایسی شخصیتیں ہیں جو صرف اسی ادارہ کی تربیت سے تصنیف و تالیف کے بلند مقام پر فائز ہوئیں۔

دارالمصنفین نے ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد پیدا کی جو تحقیق و تصنیف، بحث و مطالعہ، تالیف اور وسعتِ معلومات میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

یہ دارالمصنفین کی سب سے بڑی خصوصیت ہے، اور اس کے لئے وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ہند میں بھی خاصی شہرت رکھتا ہے۔

دارالمصنفین پر مستقل مضمون اسی شمارہ میں دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں۔

مسلم یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نئے وائس چانسلر جناب نواب علی یاور جنگ صاحب سابق سفیرِ ہند برائے فرانس مقرر ہوئے ہیں، اس بات کا اعلان سرکاری طور پر ۸ دسمبر ۱۹۶۴ء کو ہو چکا ہے۔

اس سے قبل جناب بدر الدین طیب جی عارضی طور پر یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے تھے لیکن متعینہ مدت پوری ہونے پر ان کا یہ عہدہ ختم ہو گیا اور اب وہ سفیرِ ہند برائے جاپان بنائے گئے ہیں۔

نئے وائس چانسلر اپنے عہدہ کا چارج مارچ ۱۹۶۵ء سے لیں گے۔

ہمیں امید ہے کہ جناب علی یاور جنگ صاحب جو اپنی علمی قابلیت اور ذہانت کے لئے مشہور ہیں یونیورسٹی کی روایات کو برقرار اور اس کی خصوصیت کو باقی رکھنے میں پورا حصہ لیں گے، اور نئی نسل کے لئے وہ ایک بہتر مربی ثابت ہوں گے۔

عورت کی

امارت کا مسئلہ

مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی

پاکستان کے انتخاب صدارت میں مس فاطمہ جناح کو ناکامی ہو یا کامیابی یہ معاملہ تو بعد کا ہے۔ سردست ان کی اس جرأت آزمائی کی برکت یہ ظاہر ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ایک نیا فتنہ پیدا ہو گیا ہے۔ اور عورت کی امارت وخلافت کو جو ازروئے حدیث واضح طور پر ناجائز ہے جائز بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔

یہ افسوسناک حالت ایک ہندی کے لئے بھی اس بات کی محرک ہوئی کہ وہ ایک ایسے مسئلہ پر اظہار خیال کرے جسکا تعلق پاکستان سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ہندوستانی کا مسئلہ کی سیاسی حیثیت پر گفتگو کرنا عبث ہے۔ اس لئے میری بحث اس کی شرعی حیثیت تک محدود رہے گی۔ بہتر ہوتا کہ اس مسئلہ کو محض سیاسی حیثیت سے سامنے لایا جاتا۔ اور جو لوگ آج عورت کی امامت، سربراہی مملکت کو جائز بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں اپنی یہ جرأت وہمت اس طرح صرف فرماتے کہ صفائی کے ساتھ اس کے ناجائز ہونے کا اقرار کرکے محض مصلحت کی بنا پر اسکے ارتکاب کا اعتراف کر لیتے اور کہہ دیتے کہ "این ہم بلائے علم" اور گناہوں کی طرح ایک یہ بھی گناہ ہے۔ جہاں اور ہیں وہاں یہ بھی سہی۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ مس فاطمہ جناح کے موئدین میں پیش پیش مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت اسلامی ہے جنھوں نے اپنا مقصد زندگی "اقامت دین" قرار دیا ہے۔ اب وہ ایک "امامیہ" عورت کو "امام" بنا کر یہ فریضہ "اقامت" ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اگر امامت صحیح نہ ہوگی تو "اقامت" کیسے صحیح ہو سکتی ہے مجبوراً انھیں اس امامت کو جائز ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہونا پڑا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ عام طور پر جو بحث طرفین سے ہوئی ہے وہ صرف ایک پہلو پر ہوئی ہے یعنی کہ عورت کو صدر جمہوریہ پاکستان بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

دوسرا پہلو جس پر جہاں تک مجھے علم ہے کسی نے نظر نہیں کی ہے۔ خود مس فاطمہ جناح کا شخصی معاملہ ہے کہ انھیں اس منصب پر فائز کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ تعجب ہے کہ مسئلہ کے اس پہلو پر کسی صاحب نے نظر نہیں فرمائی۔ حالانکہ یہ پہلو اول الذکر پہلو سے بھی زیادہ اہم اور نتائج کے لحاظ سے بہت قابلِ غور و فکر ہے، اگر بالفرض یہ بھی ثابت ہو جائے کہ عورت کو اس منصب پر مقرر کرنا جائز ہے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہو جائے گا کہ ہر عورت کو یہ منصب دے دینا جائز ہے؟ اس عورت کے تقرر کے لئے کوئی شرط ہوگی یا شرائط امارت و امامت صرف مردوں کے لئے ہیں عورتوں کے بارے میں کوئی شرط نہیں ہے؟

"تعمیر حیات" لکھنؤ میں مختصر طور پر مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ آج اس کی مزید تفصیل کرتا ہوں اور اس سلسلہ میں ان بیانات پر ایک اجمالی تبصرہ کرنا چاہتا ہوں جو جماعت اسلامی پاکستان کی جانب سے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ عورت کی "امارت" ناجائز ہے۔

لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة
وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائے گی جو اپنا والی امر عورت کو بنائے

اسی حدیث سے استدلال کرکے فقہا کرام نے "خلیفہ" کے لئے مرد ہونے کی شرط لگائی ہے۔ جیسا کہ ردالمختار وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

اس سلسلہ میں ایک قابلِ ذکر لطیفہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی طرف سے اس حدیث کی عجیب تاویلیں کی گئی ہیں۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک اس حدیث کی حیثیت ایک خبر کی ہے نہ کہ حکم کی۔ ان بندۂ خدا کی سمجھ میں یہ بھی نہ آیا کہ اگر خبر بھی ہے تو کس چیز کی خبر ہے؟ کیا عدم فلاح اور ناکامی کی خبر اس فعل کی ممانعت کو نہیں بتاتی جس کا افسوس ناک نتیجہ بطور خبر ذکر فرمایا گیا ہے؟ قرآن مجید میں سود خواروں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جس پر شیطان کا اثر ہو گیا ہو۔ کیا اس خبر سے سود خواری کی ممانعت نہیں معلوم ہوتی؟ دوسرے الفاظ میں یہ ایک قسم کی وعید ہے۔ پھر کیا جس فعل پر وعید ہو اس کے گناہ ہونے میں بھی کسی کلام کی گنجائش ہے؟ حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ فعل مکروہ تحریمی ہے۔ جو عملاً حرام ہی کے ہم معنی ہے۔

یہ اصول بھی یاد رکھنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام خبریں سنانا نہیں تھا۔ احکام بیان کرنا تھا اس سے زیادہ حیرت خیز دوسری تاویل ہے جس میں مغالطہ انگیزی کی کوشش اور نمایاں ہو گئی ہے۔ جماعت کے ایک ترجمان فرماتے ہیں کہ یہ سلطنت کسریٰ کے لئے بددعا تھی اور ثبوت کے لئے یہ کاروائی کی ہے کہ فتح الباری اور عون الباری سے ایک عبارت نقل کر دی جس کا تعلق اس حدیث کے ساتھ نہیں ہے بلکہ وہ ایک دوسری روایت کے متعلق ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسریٰ اقتدار کے متعلق بددعا کرنا مذکور ہے اور یہ واقعہ اس بنا پر پیش آیا تھا کہ کسریٰ نے نامۂ مبارک کے ساتھ بے ادبی کی تھی۔

غالباً عربی سے ناواقفیت کی وجہ سے انھوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ عام محاورہ میں مستقبل مؤکد کا صیغہ دعا کے لئے نہیں استعمال ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ یہاں "قوم" نکرہ ہے جو نفی کے سیاق میں استغراق وعموم کا فائدہ دیتا ہے اس لئے بددعا ہوگی تو ہر اس قوم کے لئے ہوگی جو اس غلطی کا ارتکاب کرے صرف قوم کسریٰ تک محدود نہیں رہ سکتی تو کیا یہ حضرات یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو آنحضور کی بددعا لگ جائے۔

اسی حدیث کے متعلق اس طرح کا ایک اور مغالطہ دیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکرہ (نفیع ابن حارث) رضی اللہ تعالیٰ عنہ ...... کے متعلق کرمانی و فتح الباری سے بے ضرورت ایک عبارت نقل کرکے یہ دکھایا گیا ہے کہ موصوف کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ علیہا السلام کی رائے سے اختلاف نہ تھا بلکہ انھوں نے ...... اس حدیث سے فال لیا کہ ام المومنین اس معاملہ میں کامیاب نہ ہوں گی۔ جماعت کے ان وکیل صاحب نے اتنا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا کہ انھوں نے ام المومنین کے حق امارت کو چیلنج نہیں کیا تھا۔ حالانکہ عبارتوں سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قصاص کے مسئلہ میں انھیں ام المومنین سے اختلاف نہ تھا۔

گزارش یہ ہے کہ بالفرض عبارات مذکورہ اور فال لینے کا وہی مطلب ہے جو آپ سمجھے ہیں تو بھی حدیث سے جو عورت کو خلیفہ یا امام بنانے کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے اس کے ثبوت میں کیا خلل پڑتا ہے؟

(باقی ص ۱۹ پر)

چند دن دیارِ غیر میں

یورپ کی کہانی ایک ندوی سیاح کی زبانی

مولانا عبداللہ عباس ندوی

"یونیورسٹی کا ادارہ محسوس کرتا ہے کہ وہ آپ کی تعلیم میں قاصر رہا اور آپ کا بہت سا وقت ضائع ہوا. اور اب محسوس کرتا ہے کہ آپ کے ساتھ یہ انصاف نہ ہوگا کہ وہ مزید آپ کی اضاعت وقت کا سبب بنے. کیا آپ بہتر نہ سمجھیں گے کہ آئندہ تعلیمی سال میں کسی اور ادارہ کو اپنی خدمت کا موقع دیں؟"

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندگی کے ہر گوشے اسی طرح روشن ہوں. بعض گوشے تو اس درجہ تاریک ہیں کہ عبرت ہوتی ہے. خصوصاً عورتوں کے ساتھ اس قوم کا معاملہ انتہائی ظالمانہ ہے. دوکانوں میں جھاڑو دینے پلیٹ فارموں کو پانی سے دھونے، ہوٹلوں سے بیروں کا کام کرنے سے لیکر دفتروں کے تمام کام میں وہ سب سے آگے نظر آئے گی. بسوں میں کنڈیکٹر وہی. مکانوں میں خادمہ وہی. دوسری طرف ازدواجی زندگی کے لئے مردوں کی نظر کرم کی محتاج. جو اس کو دھوکا دینا اور امید دلا کر کچھ عرصہ عیش کر لینا فیشن سمجھتے ہیں. اس طرح سن رسیدہ لوگوں کی مٹی پلید ہوتی ہے. اولاد جوان ہوتے ہی ساتھ چھوڑ دیتی ہے گذارہ حکومت کے ذمہ ہے. اب یہ بے چارے شاموں کو پارکوں میں بیٹھے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی ان کی طرف متوجہ ہو. بڈھے اور بڑھیائیں حسرت سے آنے والوں کا منہ تکا کرتی ہیں. شاید آپس میں باتیں کرتے کرتے تھک جاتے ہوں گے. دوسرے لوگ سوائے خیریت پوچھنے کے کبھی ان کے پاس بیٹھنا گوارا نہیں کرتے. عمریں عام طور سے طویل ہوتی ہیں اور یہ لوگ اپنی زندگی کے آپ ماتم گسار ہوتے ہیں. اولادیں کرسمس کے موقع پر سلام کرنے آجاتی ہیں. اس کے علاوہ ان کو کوئی مطلب نہیں ہوتا. ادھر چند برسوں سے ایک رسم نکلی ہے کہ مدرڈے (MOTHER DAY) منانے کی یعنی ایک خاص دن میں لڑکیاں اور لڑکے اپنی ماؤں کو تحفے دیتے ہیں اور اس طرح ان کے ماںانہ حقوق ادا کر لیتے ہیں اس کا کافی پروپیگنڈہ ہوتا ہے. ریڈیو اور اخبارات سے ترغیب دی جاتی ہے. یہ وبا یورپ کی چلی ہوئی ہر وبا

کی طرح، مشرق وسطیٰ میں بھی پہنچی اور "عید الام" کے نام سے لبنان، شام، مصر میں منائی جاتی ہے. اس کے مقابلہ میں مسلم معاشرہ کو رکھئے تو والدین کا تقدس ان کی عمروں کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے. اولادیں زیادہ سے زیادہ ان کی خدمت کرنا، ان کی دلجوئی کرنا اپنی سعادت سمجھتی ہیں. فدائیت، محبت اور دلسوزی کے ساتھ خدمت کو شرافت کا معیار سمجھا جاتا ہے اور وہاں سال کے ایک دن 'مدرڈے' میں جا کر چاکلیٹ کا ایک ڈبہ یا ایک رومال دیدیا اور حقوق فرزندی سے آزاد.

لندن میں توہم پرستی کا بھی زور ہے، نجومی، پیشین گوئی کرنے والے یا ٹھگ اور جنتر منتر سے علاج کرنے والے بھی بعض حلقوں میں مقبول ہیں. اس کا ثبوت یہ ہے کہ. انڈر گراونڈ ریلوے اسٹیشنوں پر بڑے بڑے اشتہار اس قسم کے دیکھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا بازار بھی موجود ہے. میری موجودگی میں کوئی ہندوستانی تیاگی وہاں گئے ہوئے تھے. جن کی بڑی بڑی تصویر کے ساتھ اشتہارات اسٹیشنوں اور پلیٹ فارموں پر دیکھے اس پر لکھا ہوا تھا کہ روحانی سکون کے متلاشیوں کے لئے ...... کی خدمات حاضر ہیں.

مانچسٹر میں جہاں پاکستان اور ہندوستان کے مزدور طبقے کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں پہونچ گئے ہیں، وہاں دعا و تعویذ کرنے والے حضرات بھی ہیں اور سنا ہے کہ ان کی طرف مرجوعہ سفید چمڑی والوں اور والیوں کا بھی رہتا ہے.

چوری و جعل سازی اور فریب دہی کے واقعات بھی نایاب نہیں ہیں، لیکن کم ضرور ہیں، اور عام طور سے لوگ معمولی سودا نہیں کرتے. جب کوئی واقعہ سنسنی خیز پیش آتا ہے وہ پورے علمی انداز اور فنی اصول کے ماتحت عمل میں آتا ہے، میرے زمانۂ قیام میں ایک سرقہ کا واقعہ اخبارات کا موضوع بنا ہوا تھا. ایک پارٹی نے شاید ۷ ملین پونڈ خزانے سے غائب کر دیئے تھے. حکومت کی مشنریاں اس کا پتہ لگانے میں ناکام رہیں.

لندن کا قیام جب ختم ہونے کے قریب آیا تو اچانک اطلاع ملی کہ حضرت الاستاذ مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی مدظلہ جنیوا تشریف لائے ہیں. مرکز اسلامی کی دعوت پر ان طلبہ کو خطاب فرمائیں گے جو مسلم ممالک سے آتے ہیں اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں. میرا ارادہ ترکی سے ہوتے ہوئے واپس جانے کا تھا لیکن اس خبر کے بعد اپنی راہ بدل دی اور سوئیسرا کے لئے تیاری کر لی جس روز روانگی تھی. اسی دن ایک کرم فرما حسن مظہر صاحب نے آکر بتایا کہ تین گھنٹوں کے بعد مولانا لندن تشریف لا رہے ہیں

افتاں و خیزاں پورٹ اور وہاں سے ایئر ٹرمینل پہنچا...... دیکھا کافی تعداد میں شیروانیوں والے بزرگ جمع ہیں. ان میں مولانا ظفر احمد صاحب انصاری، سید منور حسین صاحب رجو پٹنہ کے رہنے والے ہیں. اب لندن میں مقیم ہیں اور صاحب جائداد ہیں، تبلیغی کام سے دلچسپی رکھتے ہیں)، متعدد طلبہ اور تبلیغی جماعت کے احباب تھے. مولانا سے ملاقات پر جو خوشی ہوئی وہ بیان نہیں کی جا سکتی. خود انھیں بھی مسرت ہوئی اور فرمایا کہ سفر کی آدھی تھکن تو تمھیں دیکھ کر دور ہوگئی پھر فرمایا اب لندن کے بعد واپسی کا پروگرام ہے. اور یہ شعر پڑھا.

تالوا خراسان اقصی ما یراد بنا

ثم القفول فقد جئنا خراسانا

حسن اتفاق سے قیام کے لئے سید منور حسین صاحب کی پیشکش تھی. مگر وہ جگہ مناسب نہیں معلوم ہوئی اور میری قیام گاہ. اکوئنس وے کا نفیبہ جاگا. ایک بڑا کمرہ خالی کرایا گیا جو پندرہ روز تک دینی اجتماعات، وعظ و نصائح ذکر و عبادت سے آباد رہا. معلوم نہیں کس نے لوگوں کے کانوں میں جا کر کہہ دیا کہ ایک خلقت ٹوٹی آتی تھی گیلری جوتوں سے بھر جاتی. بڑا ہال تھا مگر نمازوں کے وقت پُر ہو جاتا تھا. دوسری طرف لینڈ لیڈی کہتی کہ آپ لوگوں نے میرے مکان کو مسجد بنا دیا ہے. مگر غسل خانے پر تو رحم کیجئے جو وضو کرنے والوں سے ہر وقت بھرا رہتا ہے. اس کی صفائی کر دی جاتی. میرا کمرہ تو ڈائننگ روم یا باورچی خانہ بن گیا. لکھنؤ کے محمد سرور صاحب اپنا کام دھندا چھوڑ کر مستقلاً باورچی بن گئے اور اپنے دیسی وضع کے کھانے فرش پر دسترخوان بچھا کر چن دیئے. جاتے اور ایسا محسوس ہوتا کہ ہم لوگ لکھنؤ ہی کے کسی مکان میں ہیں. اللہ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ خاص ہوتا ہے. انھیں نہ پروپیگنڈہ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اشتہار بازی کی.

(بقیہ ص ۱۶ پر)

مشرق وسطیٰ کے متعلق

ایڈیٹر تعمیر حیات کے نام مولانا محمد رابع ندوی کا مکتوب

ترکی حکومت اور عوام، دمشق میں شام کے حالات، تقریریں اور ملاقاتیں، توقعات،

— ۲ —

ترکی حکومت اور عوام: جرمنی سے دمشق جاتے ہوئے راستہ میں ایک ترکی عالم شیخ امین سراج سے ملاقات ہوئی یہ شیخ[1] میں قاہرہ میں ماموں جی صاحب سے مل چکے تھے اور متعارف تھے ان سے بہت سی باتیں معلوم ہوئیں. ترکی میں کمال اتاترک کے زمانہ سے اسلام کے خلاف جو کوششیں ہوتی رہی ہیں، انھوں نے ترکی قوم کو بڑا نقصان پہونچایا، لباس بدل گیا، پڑھے لکھے طبقہ کا ذہن بدل گیا، زبان بدل گئی لیکن الحمد للہ اسلام سے تعلق ابھی تک منقطع نہیں کیا جا سکا ہے، حکومت وقت اتاترک کی شاگرد ہے اسلام پسند نہیں اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ وہ ملک و قوم کی مخلص بھی نہیں ہے. ترکی قوم اس سے سخت کراہیت کرتی ہے اور اگر صاف ستھرے انتخابات ہوں تو غیر اسلامی فکر رکھنے والے ہرگز حکومت میں نہ آسکیں گے لیکن یہ کیسے ممکن ہے ترکوں سے معلوم ہوا کہ قبرص کے مسئلہ میں کچھ ہونے والا نہیں کیوں کہ عصمت انونو یونانیوں کے درپردہ حامی ہیں. اور ترکوں نے جو ایک زبردست حملہ قبرص کے ترکوں کو ظلم و تشدد سے بچانے کے لئے کیا تھا وہ عصمت کے علم و مرضی کے بغیر ہوا تھا، اور انھوں نے ہی اس کو رکوایا اور وزیر دفاع کو سرزنش کی تمام دشواریوں کے باوجود ترکی میں دعوتی کام بھی برابر...... جاری ہے کچھ عرصہ قبل یہاں ایک بڑے داعی شیخ سعید نورسی نے اپنی مخلصانہ جدوجہد سے خاصے بڑے طبقہ کو متاثر کیا اور دینی لحاظ سے اس بے سہارا قوم میں واضح دینی تبدیلی پیدا کی، آج بھی ان کے ماننے والے بڑا دینی جذبہ رکھتے ہیں اور کام کر رہے ہیں. ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی حد تک کوشش میں لگے ہوئے ہیں. استنبول میں اس وقت اسلامی تعلیم کے دو اہم مرکز ہیں، ایک تو المعہد الاسلامی للتعلیم العالی اور دوسرے مدرسۃ الائمۃ والخطباء. اول الذکر کا تخیل ہمارے ندوے کے تخیل سے ملتا جلتا ہے لیکن ان کو صحیح نصاب تک پہونچنے میں بہت عرصہ لگے گا. وہ اس سے ابھی بہت دور ہیں البتہ تعلیم کے لحاظ سے انھوں نے قابل اطمینان حد تک انتظام کیا ہے. آخر الذکر مرکز اس طرح کی تعلیم گاہ ہے جیسی کہ ہمارے یہاں درس نظامی کی درسگاہیں ہوتی ہیں. یہ آخر الذکر مرکز دراصل ترکی کی ایک زبردست عوامی انجمن ہے جس کی نگرانی و انتظام میں اس وقت ترکی میں درجنوں مدرسے چل رہے ہیں ترکوں کو دیکھ کر ایک طرف تو یہ مسرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک ایسی شاندار قوم ہے کہ جس سے نہ صرف مستقبل میں امید قائم کی جا سکتی ہے بلکہ اس کا ماضی بھی بڑا شاندار رہ چکا ہے. دوسری طرف اس احساس سے تکلیف ہوتی ہے کہ یہ قوم پگھل کر ختم کی جا رہی ہے،

دمشق میں: ۲۸ اکتوبر کی رات کے ۱۲ بجے دمشق پہونچنا ہوا، سیدھے فندق الیوک آئے وہاں ایک کمرہ مل گیا، رات اسی میں گزاری، صبح ناشتہ کر کے ماموں جی نے ٹیلیفون کے ذریعے بعض دوستوں کو مطلع کیا جن میں خاص طور سے قابل ذکر الاستاذ محمد المبارک تھے، وہ سنتے ہی ہوٹل آگئے اور محبت و گرمجوشی سے ملے.

شام کے افسوسناک حالات: شام کا اس وقت بہت برا حال ہے، ملحدوں اور کافروں کی علی الاعلان حکومت ہے. اسلام پسند عناصر کے لئے سخت ابتلا و آزمائش کا سامنا ہے. چند روز قبل اسلام دشمن بعثیوں کا اقتدار تھا لیکن اب یہ اقتدار مزید ترقی کر کے کافر و دروزیوں کے ہاتھ میں آگیا ہے. دروزی شام میں کافروں کا ایک گروہ ہے جو نہایت اقلیت میں ہے لیکن اس کا جو عنصر شامی فوج میں ہے آجکل اسی عنصر کو اقتدار مل گیا ہے اور اتفاق سے یہ برسر اقتدار افراد کم عمر اور پست سطح کے لوگ ہیں جن کو نہ کسی سنجیدہ سیاست کا تجربہ ہے اور نہ ہی ذمہ دارانہ قیادت کا اور اس پر مذہبی عداوت مستزاد ہے گویا سونے پر سہاگہ یہ کہ روسی کمیونزم سے نیا ہوا حکومتی و انتظامی مزاج، بس پورے ملک میں ایک سیاسی افراتفری، طوائف الملوکی اور انتقامی اور مصلحتی پکڑ دھکڑ مار پیٹ، ترقی و زوال کا ایک چکر چل گیا ہے اسلامی الفکر رہنما خاموشی کے ساتھ یکے بعد دیگرے ملک چھوڑ چھوڑ کر پاس پڑوس میں منتقل ہو رہے ہیں...... اور ملک بد سے بدتر حال کی طرف بڑھتا جا رہا ہے. اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن اور فوجی ہیڈ کوارٹرز دونوں علیحدہ علیحدہ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے ہمہ وقت گھرے ہوئے اور فوجی حفاظت میں ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ فوج کی جو ٹکڑی صرف ان دونوں پر قبضہ کرلے پورا ملک اور اس کا اقتدار اس کے قبضہ میں آجاتا ہے. اس لئے انقلاب حکومت کے متعلق کسی وقت بھی اطمینان نہیں اور کسی...... دور حکومت کے متعلق مدت کا تعین نہیں کیا جا سکتا. یہ تو ہوا سیاسی پہلو، رہا فکری و دینی پہلو تو حال یہ ہے کہ یونیورسٹی کے امتحانات میں پاس اور فیل کے لئے اب یہ اصول زیر عمل لایا جا رہا ہے کہ طالب علم کے لئے تو رخیال کا ہے یا نہیں. اگر وہ غیر قومی یا اسلامی خیال کا ہوا تو فیل کر دیا جاتا ہے. خواہ امتحان میں کیسے ہی اچھے نمبر لایا ہو، ملازمتوں کے انٹرویو میں یہ پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ عرب غیر مسلم تم کو زیادہ عزیز ہے یا غیر عرب مسلم. خواہ انٹرویو کسی بھی موضوع پر ہو لیکن یہ بے موقع سوال بھی کیا جانے کا پورا امکان رہتا ہے. اور اس کے جواب کا نتیجہ معلوم.

تقریریں اور ملاقاتیں: دمشق میں ماموں جی کی آمد کے موقع سے دو جگہ تقریری و ملاقاتی پروگرام رہا. ایک جامع مرابط میں جہاں ماموں جی کی ایک پرجوش تقریر ہوئی. اجتماع میں شامی نوجوانوں کی خاصی تعداد موجود تھی. تقریر میں ماموں جی نے کہا کہ اس وقت عالم اسلام کا سب سے بڑا ابتلاء یہ ہے کہ عوام اور حکمران طبقوں میں کوئی توافق نہیں عوام کے جذبات و خیالات کچھ ہیں اور حکمران طبقے کے خیالات و جذبات بالکل کچھ اور نیز یہ حکمران طبقہ ہر جگہ ایک سی ذہنیت رکھتا ہے اور وہ ہے مذہب بیزاری اور یورپ کی اندھی تقلید. یہ طبقہ کہیں بھی اپنی قوموں کا نمائندہ نہیں، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اب مسلمان عوام بھی دینی لحاظ سے پست ہمت ہو چکے ہیں ان کے دل و دماغ دینی لحاظ سے کمزور پڑ چکے ہیں. قربانی کا جذبہ ان میں مضمحل ہو چکا ہے، دوستو! اس وقت اصل کمی اسلامی قیادت یا دعوتی راہنما کی نہیں، بلکہ اس وقت اصل کمی قربانی اور پختہ جذبہ کی ہے، آپ مجھ کو اگر بتا دیں کہ آپ میں سے افراد

(بقیہ ص ۱۶ پر)

لہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی،

اسلام اور تعمیر انسانیت

وحید الدین خاں

۸ نومبر ۱۹۶۴ء کو بزم سلیمانی ندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں "اسلام اور تعمیر انسانیت" کے عنوان پر سالانہ انعامی مقابلہ تھا۔ اس موقع پر موضوع کی وضاحت کے طور پر یہ تقریر کی گئی۔

اگر بینک کا کوئی کھاتہ دار کسی کو ایک ایسا چیک لکھ کر دیدے جس کے پیچھے متعلقہ بینک میں فی الواقع سرمایہ موجود نہ ہو تو ایسے چیک کو (Dud Cheque) کہا جاتا ہے۔ اسلام اور مذہب کو تعمیر انسانیت کے مسئلہ کے حل کی حیثیت سے پیش کرنا جدید انسان کے نزدیک گویا اسی قسم کا ایک بیکار چیک (Dud Cheque) دنیا کے حوالے کرنا ہے جس کے پیچھے معنویت کا سرمایہ موجود نہیں۔ "اسلام اور تعمیر انسانیت" جدید ذہن کے لئے ایسا ہی ایک جملہ ہے جیسے کہا جائے "کھمبا اور ریل کھینچنے کا مسئلہ" یا "درخت اور اسکول کی معلمی" یا "مکان اور سمندر میں تیرنا"۔ ظاہر ہے کہ کوئی کھمبا انجن کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا، درخت اسکول کا معلم نہیں بن سکتا اور مکان کو سمندر میں جہاز کی جگہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اسلام یا مذہب بھی انسانیت کی تعمیر کے مسئلہ میں کم از کم آج کوئی مدد نہیں دے سکتے۔

مذہب کے بارے میں جدید انسان کی یہ رائے کن دلائل کی بنیاد پر ہے، اس کی چند مثالیں لیجئے۔

۱۔ علم الانسان کے ماہرین کا خیال ہے کہ زمین کے اوپر کم از کم دس ہزار سال سے انسان اپنی موجودہ شکل میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ قدیم سماج کے حالات ہمیں زیادہ تفصیل کے ساتھ معلوم نہیں ہیں۔ مگر یہ یقینی ہے کہ دس ہزار برس پہلے کا انسان بھی فطری طور پر ان تمام صلاحیتوں کا مالک تھا جو آج کے ایک انسان میں نظر آتی ہیں۔ ذہن کی تمام خصوصیات بالقوہ اسے حاصل تھیں۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ پورے دس ہزار برس کی مدت گذر گئی اور وہ ایک موٹر سائیکل بھی نہ بنا سکا۔ یہ صرف ڈیڑھ دو سو برس کے اندر کی بات ہے کہ ہمیں زندگی کی وہ تمام سہولتیں حاصل ہوئیں جن کو آج ہم ایک متمدن شہر کے اندر دیکھتے ہیں۔ فطرت کے بے شمار خزانے زمین کے نیچے دفن تھے۔ انسان اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ ہزاروں برس سے اس کے اوپر آباد تھا، مگر ریل، موٹر، ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹیلیفون، بجلی اور اس طرح کی بے شمار چیزیں جو آج ساری دنیا میں عام ہیں، ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی وہ دریافت نہ کر سکا ——— اس کی وجہ جدید ذہن کے نزدیک مذہب ہے۔ ان دریافتوں کے لئے ضرورت تھی کہ نظام فطرت پر غور کیا جائے۔ مگر مذہب نے یہ کہہ کر "سب کچھ خدا کرتا ہے" غور و فکر کا موقع ہی نہیں دیا۔

عربی لغت کی تاریخ میں ہے کہ لغات کا ایک عالم یہ جاننا چاہتا تھا کہ "دَنْدَمَ" کا لفظ عرب کس خاص موقع پر بولتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ عرب کے ایک بدو خاندان کے ساتھ عرصہ تک رہا۔ ایک روز اس کے خیمے میں ہانڈی چولھے پر چڑھی ہوئی تھی۔ جب ہانڈی پکتے پکتے ایسے نقطہ پر پہنچی کہ اس میں ابال آ گیا تو عرب کا بدو بولا "دَنْدَمَتْ"۔ لغوی عالم یہ سن کر خوشی سے چلایا "میں نے پا لیا" اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

ہانڈی کے ابلنے کا یہ منظر ہزاروں برس سے انسان کی ایک معلوم چیز ہے۔ مگر قدیم مذہبی انسان صرف یہی سمجھتا رہا کہ یہ مالک کارساز کی کارفرمائی ہے۔ اس کی حقیقت صرف اس وقت معلوم ہوئی جب انسان مذہب کی گرفت سے آزاد ہوا اور خدائی مفروضہ کو الگ کر کے کائنات کے بارے میں خالص عقلی نقطہ نظر سے غور کرنا شروع کیا۔ اب معلوم ہوا کہ پانی جب ایک خاص درجہ تک گرم کیا جائے تو اس کے سالمات (MOLECULES) کی بندش ٹوٹنے لگتی ہے اور سالمات نہایت تیزی سے ادھر ادھر منتشر ہونے لگتے ہیں۔ یہی سالماتی انتشار ہے جس کو ہم بھاپ کہتے ہیں اور جس کے اندر اتنی طاقت ہے کہ ہانڈی کا ڈھکن اپنی جگہ سے اٹھ جاتا ہے۔ بالآخر اسی طاقت کو زیادہ بڑی مقدار میں استعمال کر کے بھاپ کے انجن بنائے گئے۔

اس طرح تمام چیزوں پر غور و فکر شروع ہوا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ ہر واقعہ جو ہوتا ہے اس کا ایک فطری قانون ہے اور اسی قانون کے تحت سارے واقعات ظہور میں آتے ہیں۔ اس طرح قانون فطرت کے علم نے انسان کو اس مقام تک پہنچایا کہ اگر وہ ان قوانین کو جان لے اور ان کو استعمال کرنے کے طریقے دریافت کر لے تو وہ خود بھی مختلف شکلوں میں انھیں واقعات کو دہرا سکتا ہے۔ یہی وہ عظیم دریافت ہے جو ہم کو دوڑتی ہوئی موٹر، اڑتے ہوئے ہوائی جہاز، بولتے ہوئے ریڈیو اور دوسری بے شمار شکلوں میں نظر آتی ہے۔ قدیم ترین زمانے سے مذہب انسان کا رہنما رہا ہے، مگر مذہب نے انسان کے ذہن میں ڈال دیا تھا کہ ہر واقعہ جو ہوتا ہے اس کا کرنے والا خدا ہے۔ اس لئے انسان جس حال میں تھا بس اسی پر قانع تھا۔ خدا پر ایمان نے انسانی عقل کو مفلوج کر دیا تھا۔ یہ صرف قانون فطرت پر ایمان کا نتیجہ ہے کہ کائنات کی طاقتیں انسان کے علم میں آئیں اور زمین سے لے کر خلا تک اس نے وہ تمام ترقیاتی کارنامے انجام دیئے جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

۲۔ جدید علماء میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے یہاں مذہب اور مذہبی شخصیتوں کے بارے میں ہم کو تعریفی کلمات مل جائیں گے۔ مگر یہ تعریف تمام تر صرف تاریخی حیثیت سے ہوتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پچھلے سماج میں مذہب نے کچھ مفید خدمات انجام دیں۔ مگر اب جبکہ دنیا کے حالات بدل گئے ہیں۔ مذہب کی پرانی تعلیمات کو آج کے حالات پر منطبق کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کے بچپن کے زمانے کے جوتے کو بڑی عمر میں پہنچنے کے بعد اس کے پاؤں میں ٹھونسنے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے ایسی کوشش کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ یا تو جوتا پھٹ جائے یا پاؤں زخمی ہو جائے۔

مثال کے طور پر مذہب میں سود حرام ہے۔ پرانے زمانے میں جب لوگ صرف شخصی حاجات کے لئے قرض لیتے تھے اور مہاجن ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر بڑے بڑے سود ان سے وصول کرتا تھا۔ تو یقیناً یہ ایک سخت غیر معقول بات تھی اور اس کو حرام قرار دینا ہی مناسب تھا مگر اب ہم ایک ایسے دور میں ہیں جبکہ سود کی حیثیت اخلاقی حیثیت سے گذر کر معاشی اور اقتصادی ہو چکی ہے جدید ٹکنیکل ترقی اور صنعتی انقلاب نے یہ ممکن بنا دیا ہے کہ بھاری مشینوں کے ساتھ بڑے بڑے کارخانے قائم کئے جائیں۔ اس طرح کے کارخانوں میں چیزیں نہ صرف یہ کہ ہاتھ کے مقابلے میں زیادہ تیز تیار ہوتی ہیں بلکہ زیادہ بہتر اور زیادہ سستی ہوتی ہیں۔ مگر ایسے کارخانے قائم کرنے کے لئے نہایت کثیر رقم درکار ہوتی ہے جس کے لئے کسی ایک شخص کے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔ اب یہ روپیہ کہاں سے آئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کو آمادہ کیا جائے

کہ وہ اپنا فاضل روپیہ بینکوں میں جمع کریں۔ مختلف لوگوں کی رقم الگ الگ ہو تو وہ تھوڑی ہے۔ مگر اکٹھا ہونے پر بہت ہو جاتی ہے۔ اس طرح بینکوں کے پاس کافی روپیہ جمع ہو جاتا ہے اور ان سے قرض لیکر لوگ کارخانے قائم کرتے ہیں۔

مگر جن کے پاس فاضل روپیہ ہے وہ اپنا روپیہ بینکوں میں کیوں جمع کریں۔ اس کی واحد صورت یہ ہے کہ انھیں یہ امید دلائی جائے کہ روپیہ بینک میں رکھنے سے اس میں اضافہ ہوگا اس طرح سود وہ جذبہ محرکہ پیدا کرتا ہے جس سے سرمایہ بڑی مقدار میں فراہم ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو ٹکنالوجی کا سارا علم کتابوں میں بند پڑا رہے اور وہ عظیم کارخانے وجود میں نہ آئیں جو آج ہر طرف زمین کی رونق بنے ہوئے ہیں — صنعتی انقلاب سے پہلے یہ صورت حال سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ اس لئے پرانے مذہبی رہنما بھی یہ سوچ نہیں سکتے تھے کہ سود کی کوئی ایسی نوعیت بھی ہے جو نہ صرف یہ کہ غیر اخلاقی نہیں ہے بلکہ وہ بجائے خود ایک اہم اخلاقی اور انسانی مقصد کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایک ایسا مذہب موجودہ زمانے میں کیسے انسان کو ترقی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ جو بالکل دوسرے حالات میں وضع کیا گیا تھا۔

اسی طرح تمام مذاہب نے انفرادی ملکیت کو جائز کیا ہے۔ یہ بھی پہلے زمانے کے لحاظ سے ایک مناسب بات تھی جب لوگ چھوٹی چھوٹی جائدادوں کے مالک ہوا کرتے تھے۔ مگر آج بڑی صنعتوں کے قیام نے صورت حال بدل دی ہے۔ پہلے ایک شخص ہاتھ کا کرگھا لگاتا تو وہ صرف ایک آدمی کا کام کرتا تھا۔ آج ایک شخص کپڑے کی مل کھولتا ہے تو وہ ہزاروں آدمیوں کے حصے کا کام کر ڈالتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مل کا کھلنا ہزاروں آدمیوں کو بیکار بنا دینے والا ہے۔ مزید یہ کہ مل کی بنی ہوئی چیز ہاتھ کے مقابلے میں زیادہ اچھی اور سستی ہوتی ہے۔ پھر مل کے اچھے اور سستے مال کے مقابلے میں ہاتھ کا بھدا اور مہنگا سامان کون خریدے گا۔ اس لئے اب انفرادی ملکیت کے معنی بدل گئے ہیں۔ پہلے اگر انفرادی ملکیت ایک بے ضرر چیز تھی تو آج انفرادی ملکیت کا مطلب ہے اجارہ داری۔ اور اجارہ داری کا مطلب ہے ہزاروں لوگوں کے حصے کا رزق چھین کر تنہا ان سب کا مالک بن جانا۔ ایسی حالت میں آج اگر مذہب کی اس تعلیم کو اپنایا جائے تو اس سے انسانیت کی تعمیر ہوگی یا تخریب۔

اسی طرح پردہ کی مثال لیجئے۔ پہلے زمانے میں انسان کی زندگی مختصر تھی۔ مسائل بہت کم ہوتے تھے۔ اس لئے عورت کو پردہ کرنا اور گھر کے کام کی حد تک اسے مخصوص کرنا شاید صحیح ہو۔ مگر آج تو مسائل اتنے بڑھ گئے ہیں کہ عورت کو زندگی کی سرگرمیوں میں لانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر ترقی کی امکانی دوڑ کو جاری نہیں رکھا جا سکتا۔ حتیٰ کہ بچوں کی نگہداشت جو پہلے صرف "مادرانہ کام" سمجھا جاتا تھا۔ علم طب کی ترقی نے اس کو بھی ایک "فنی کام" بنا دیا ہے۔ آج بہتر صحت اور عمدہ تربیت کے لئے ضروری ہے کہ ماں سے زیادہ ایسے اداروں پر اعتماد کیا جائے جہاں تربیت یافتہ عملہ اس فن کی اختصاصی تعلیم حاصل کر کے اس خدمت کو انجام دیتا ہے۔

یہ مختصر طور پر وہ دلائل ہیں جن کی بنا پر جدید انسان یہ سمجھتا ہے کہ مذہب کو آج تعمیر انسانیت کا عنوان نہیں بنایا جا سکتا۔ مگر ان دلائل کی حقیقت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ حقائق سے آنکھیں بند کر کے کچھ مفروضے قائم کر لئے گئے ہیں۔

(باقی آئندہ)

بقیہ مشرق وسطی کے متعلق

قربانی پر تیار ہیں تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ قوم کا مستقبل کیا ہے؟ آج مسلمان دین کی ہر اہانت کو سن لیتے ہیں برداشت کر لیتے ہیں یہ بات کسی اچھے مستقبل کی غمازی نہیں کرتی۔

تقریر بڑی موثر رہی۔ جلسہ کی ابتداء شام کے مشہور و ممتاز عالم استاذ مصطفیٰ الزرقاء نے کی تھی اور انھوں نے مہمان مقرر کو بڑے اونچے اور اچھے الفاظ میں پیش کیا۔ تقریر کے بعد شام کے ممتاز داعی اور عالم استاذ امین المصری نے ماموں جی کی تقریر سے اپنے گہرے تاثر و پسندیدگی کا اظہار کیا اور بڑے جوش و صفائی کے ساتھ اپنے اسلامی جذبات پیش کئے۔ دوسرا پروگرام کلیۃ الشریعہ دمشق یونیورسٹی کی طرف سے ایک سیمنار کی صورت میں انجام دیا گیا جس میں اولاً تقریر ہوئی پھر ثقافتی و دینی مسائل پر گفتگو رہی۔ اس جلسہ میں سارا تعلیمی اسٹاف مع [illegible]

شیخ کفتارو سے بھی ملاقات ہوئی اور وہ بڑے اخلاق سے پیش آتے رہے۔ آجکل مفتی شام ہیں، لیکن اخوانی الفکر طبقہ ان کے طرز و خیالات سے متفق نہیں بلکہ ناپسند کرتا ہے اور ان کے افتاء کے عہدے کو قبول کر لینے کو حالات حاضرہ میں غیر اسلامی فعل سمجھتا ہے۔ دکتور مصطفیٰ سباعی مرحوم سے بھی ان کے شدید اختلافات رہ چکے ہیں۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کے انتقال کی خبر ہم لوگوں نے جنیوا ہی میں سن لی تھی۔ ان کے انتقال سے شام اپنے سب سے بڑے داعی سے محروم ہو گیا۔ ان کے جنازہ میں پورے دمشق نے شرکت کی۔ حالانکہ حکومت کے جاسوسوں نے روک ٹوک اور پکڑ دھکڑ بھی کی تھی بلکہ بعض تیز و تند شرکاء کے ساتھ کارروائی بھی کی گئی۔ دمشق ریڈیو نے اولاً سکوت اختیار کیا تھا اور جب غیر ملکوں نے خبر نشر کی تو اس کو بھی مجبوراً خبر نشر کرنا پڑا۔ ماموں جی نے ان کی وفات پر بڑا تعزیت نامہ لکھ کر المسلمون میں بھیجا ہے اور ان کے گھر جا کر بچوں سے تعزیت بھی کی۔

توقعات

دمشق میں ۳ روز قیام رہا اور طبیعت کی بڑے اچھے اہل علم اور نوجوانوں سے ملاقات ہوئی۔ دین کی تڑپ اور اسلام کی سربلندی کی خواہش نوجوانوں اور بڑوں میں ..... خاصی عام ہے اس کو دیکھ کر شام اب بھی دوسرے جمہوروں میں ممتاز نظر آتا ہے اور اب بھی دین و دعوت کا گہوارہ معلوم ہوتا ہے۔

اخوانی اور صحیح الفکر نوجوانوں کی بڑی خاصی تعداد ہے۔ نیز اساتذہ و بزرگوں میں بھی خاصی تعداد اسلامی جذبہ دعوت سے سرشار ہے۔ استاذ امین مصری، مصطفیٰ الزرقاء، احمد المبارک، شیخ مکی کتانی، شیخ منتصر کتانی اور اسی طرح کے دوسرے سربرآوردہ اور اہل علم حضرات کی موجودگی وہاں کے حساس مسلمانوں کے لئے خاصی تسکین کا باعث ہے، دار الفکر، مکتبہ دار الفتح اور مکتبۃ الشباب المسلم جیسے دار الاشاعت بھی اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں مصروف ہیں لیکن حکومت بھی اپنے الحاد و کفر میں خاصی سخت ہے اور بہت حد تک بچکانہ مزاج ہے۔ جس کی وجہ سے شام کے رہنمایان اسلام کی ایک تعداد اس ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہوں پر پناہ گزیں ہو چکی ہے۔ دکتور مصطفیٰ السباعی کی تو وفات ہی ہو گئی جو کہ شام کے لئے خاصا بڑا خسارہ ہے۔ استاذ عصام عطار، استاذ سعید فضلاوی نیز دوسرے متعدد قابل ذکر اشخاص بیروت منتقل ہو چکے ہیں۔ علی طنطاوی مکہ مکرمہ میں ہیں۔ اس طرح دوسرے اہم اسلامی الفکر اشخاص بھی اگر حالات اسی طرح چلتے رہے تو شاید منتقل ہوتے جائیں گے۔ بہرحال حالات دعا کے ہیں لیکن کشائش کی امید منقطع نہیں کی جا سکتی اقتدار حکومت استقرار کی حالت میں نہیں ہے روز روز انقلاب ہونے کی وجہ سے کوئی بھی عہد استقرار و استحکام کی لذت سے متمتع نہیں ہوتا۔ اور اب موجودہ دور تو لوگوں کے نزدیک حالات نادرہ کے خاتمہ کے قرب کی نشان دہی کرتا ہے۔

باقی الحمد للہ ... خیریت ہے ... بڑوں کی خدمت میں سلام کہو۔

والسلام
محمد رابع حسنی
۶۴/۱۱/۲۴

خطباتِ نبوی

فتنۂ دجال

(۲) — حبیب الرحمن ندوی

کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ان دنوں نماز کس طرح ادا کر سکیں گے؟ آپ نے فرمایا:

تقدرون فیھا الصلوٰۃ کما تقدرون فی ھذہ الایام الطوال ... قال صلی اللہ علیہ وسلم فیکون عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فی امتی حکماً عدلاً واماماً مقسطاً یدق الصلیب ویذبح الخنزیر ویضع الجزیہ ویترک الصدقہ فلا یسعیٰ علی شاۃ ولا بعیر وترفع الشحناء والتباغض وتنزع حمۃ کل ذات حمۃ حتی یدخل الولید یدہ فی الحیۃ فلا تضرہ وتفر الولیدۃ الاسد فلا یضرھا ویکون الذئب فی الغنم کانہ کلبھا وتملأ الارض من المسلم کما یملأ الاناء من الماء وتکون الکلمۃ واحدۃ فلا یعبد الا اللہ وتضع الحرب اوزارھا وتسلب قریش ملکھا وتکون الارض کفاثورۃ الفضۃ تنبت نباتھا بعہد آدم حتی یجتمع النفر علی القطف من العنب فیشبعھم ویجتمع النفر علی الرمانۃ فتشبعھم ویکون الثور بکذا وکذا

آجکل کی طرح اندازہ سے اپنے اپنے وقت پر۔ اور فرمایا پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام میری امت میں عادل حاکم اور منصف امام ہوں گے صلیب کو توڑیں گے سور کو قتل کریں گے جزیہ اور زکوٰۃ لینا بند کر دیں گے اونٹ اور بکریوں پر کوئی کوشش نہ ہوگی۔ باہمی عداوت اور بغض سینوں سے نکل جائیں گے زہریلے جانور کا زہر ختم ہو جائے گا، یہاں تک کہ ایک لڑکا سانپ کے منہ میں ہاتھ ڈالے گا مگر ضرر نہ ہوگا، ایک لڑکی شیر کو دھتکارے گی۔ مگر وہ اسے نقصان نہیں پہونچائے گا، بکریوں کے ریوڑ میں بھیڑیا اس طرح رہے گا گویا انکا رکھوالا کتا ہے، زمین مسلمانوں سے ایسی بھر جائے گی جیسے پانی سے برتن، سب کا کلمہ ایک ہوگا خدا کے سوا کسی کی پرستش نہیں ہوگی، لڑائی ختم ہو جائے گی اور حکومت قریش سے چھین لی جائے گی، زمین مثل چاندی کے تھال کے ہو جائیگی عہد آدم کے پھل اور سبزے اگائیگی انگور کا ایک گچھا اور ایک انار پورے کنبے کے لئے کافی ہوگا بیل بہت

من المال وتکون الفرس بالدراھم

مہنگے ہو جائیں گے اور گھوڑے چند درہموں کے عوض بکنے لگیں گے۔

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ گھوڑے کیوں سستے ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ لڑائی کا سوال ہی باقی نہیں رہے گا، پوچھا گیا تو بیل اتنے مہنگے کیوں ہو جائیں گے؟ فرمایا اس لئے کہ کھیتی باڑی کے لئے ان کی مانگ زیادہ ہوگی، سلسلہ کلام جاری ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

وان قبل خروج الدجال ثلاث سنوات شداد یصیب الناس فیھا جوع شدید یامر اللہ السماء فی السنۃ الاولیٰ ان تحبس ثلث مطرھا ویامر الارض فتحبس ثلث نباتھا ثم یامر السماء فی الثانیۃ فتحبس ثلثی مطرھا ویامر الارض فتحبس ثلثی نباتھا ثم یامر اللہ السماء فی السنۃ الثالثۃ فتحبس مطرھا کلہ فلا تقطر قطرۃ ویامر الارض فتحبس نباتھا کلہ فلا تنبت خضراء فلا تبقیٰ ذات ظلف الا ھلکت الا ماشاء اللہ

اور ظہور دجال سے پہلے تین سال تک سخت قحط پڑے گا۔ پہلے سال اللہ کے حکم سے آسمان سے ایک تہائی بارش رک جائے گی اور زمین سے اسی قدر سبزہ کم اگنے لگے گا، دوسرے سال دو تہائی بارش اور اسی قدر گیاہ کی کمی ہو جائے گی اور تیسرے سال نہ آسمان سے بارش کا کوئی قطرہ برسے گا اور نہ زمین سے کوئی گھاس اگ سکے گی۔ اکثر مویشی بھوک کے مارے مر جائیں گے۔ الا ماشاء اللہ

حاضرین نے پوچھا یا رسول اللہ اس زمانے میں لوگ کس چیز پر بسر اوقات کریں گے؟

آپ نے فرمایا؟

التھلیل والتکبیر والتسبیح والتحمید یجری ذالک علیھم مجری الطعام

لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے پر یہ ذکر ان کیلئے خورد و نوش کا قائم مقام بن جائے گا۔

(ابن ماجہ ص ۳۰۰)

امام ابن ماجہ لکھتے ہیں، میں نے یہ خطبہ اپنے استاد سے سنا ہے، انھوں نے اپنے استاد سے سنا تھا جنھوں نے یہ فرمایا تھا کہ یہ حدیث اس قابل ہے کہ مکتبوں میں اساتذہ بچوں کو پڑھائیں تاکہ ابتدا ہی سے انھیں آنے والے دجال کا حال معلوم رہے۔

دوسرا خطبہ حضرت فاطمہؓ بنت قیس سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں:

سمعت منادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینادی ان الصلوٰۃ جامعۃ فخرجت فصلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما قضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ جلس علی المنبر وھو یضحک قال لیلزم کل انسان مصلاہ ثم قال ھل تدرون لم جمعتکم؟ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال انی ما جمعتکم لرھبۃ ولا رغبۃ ولکن جمعتکم ان تمیما الداری کان رجلا نصرانیا فجاء فبایع واسلم وحدثنی حدیثا وافق الذی حدثتکم عن الدجال حدثنی انہ رکب فی سفینۃ بحریۃ مع ثلاثین رجلا من لخم وجذام فلعب بھم الموج شھرا فی البحر وارفئوا الی جزیرۃ حین مغرب الشمس فجلسوا فی اقرب السفینۃ فدخلوا الجزیرۃ فلقیتھم دابۃ اھلب کثیرۃ الشعر۔ قالوا ویلک ما انت، قالت انا الجساسۃ انطلقوا الی ھذا الرجل فی ھذا الدیر فانہ الی خبرکم بالاشواق، قال لما سمت لنا رجلا فرقنا منھا ان تکون شیطانۃ فانطلقنا سراعا حتی دخلنا الدیر فاذا فیہ اعظم انسان ما رأیناہ قط خلقا واشدہ وثاقا مجموعۃ یداہ الی عنقہ فذکر الحدیث وسألھم عن نخل بیسان وعن عین زغر وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الامی قال انی انا المسیح وانہ یوشک ان یؤذن لی فی الخروج قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ فی بحر الشام او بحر الیمن لا بل من قبل المشرق ما ھو ماھو مرتین واومأ بیدہ مرتین قبل المشرق

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۸)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کی آواز سنی کہ لوگو نماز کے لئے جمع ہو جاؤ، میں بھی مسجد گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، فارغ ہو کر آپ منبر پر تشریف لے آئے آپ مسکرا رہے تھے، فرمایا ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھا رہے پھر فرمایا جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے تمھیں مال دینے کے لئے جمع نہیں کیا ہے اور نہ کسی دشمن سے ڈرانے کے لئے، بات یہ ہے کہ تمیم داری جو ایک نصرانی تھے وہ میرے پاس آئے اور اسلام قبول کیا اور انھوں نے مجھے ایک بات بتائی جو اس بات کی تائید کرتی ہے جو دجال کے بارے میں اس سے پہلے میں تم سے کہا کرتا تھا، تمیم داری کا بیان ہے کہ قبیلہ لخم و جذام کے تیس آدمیوں کے ساتھ یہ ایک جہاز میں بیٹھ کر بحری سفر کو نکلے لیکن طوفان نے انھیں گھیر لیا مہینہ بھر تک یہ لوگ موجوں کے تھپیڑے کھاتے رہے آخر ایک ٹاپو نظر آیا اسکے قریب جہاز کو لے گئے پھر چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر اس جزیرے میں بجانب مغرب پہونچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بالوں والا جانور سیاہ رنگ کا مارتین ہے، انھوں نے اس سے پوچھا تو کون ہے اس نے جواب دیا میں تجسس کرنے والا خبریں پہونچانے والا ہوں، یہاں قریب ہی ایک خانقاہ ہے، وہاں ایک شخص ہے وہ تم لوگوں سے خبریں سننے کا مشتاق ہے۔ تمیم داری نے کہا ہم اس کی بات سنکر ڈر گئے اور خوف کھانے لگے کہ یہ کوئی جنات نہ ہو وہاں سے تیز چل کر ہم اس خانقاہ میں پہونچے دیکھا کہ ایک معمر بہت لمبا عظیم الجثہ انسان ہے جس کے چہرے بشرے سے حزن و ملال کے آثار نمایاں ہیں اسکے ہاتھ بھاری ہتھکڑیوں سے گردن کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں اس نے نخل بیسان چشمۂ زغر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ میں مسیح دجال ہوں میرے لئے یہاں سے نکلنے کی اجازت کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بحر شام یا بحر یمن میں نہیں بلکہ مشرق کی طرف ہے ساتھ ہی آپ نے مشرق کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔

طبرانی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال نبوت سے پہلے لوگوں کو دین کی طرف بلائے گا، ایمان و عمل صالح کی دعوت دے گا اور اس طرح لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھانس کر پھر نبوت کا دعویٰ کرے گا اور پھر خدائی کا، غالباً یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا اور خود بھی اس سے پناہ مانگی کہ یہ ظاہری شکل و صورت اور تصنع تو بڑی گمراہی کا باعث ہو سکتا ہے اور اس سے دنیا آسانی سے دھوکا میں آسکتی ہے

بہرکیف علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ نہ دجال نے خروج کیا ہے۔ نہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لائے ہیں، پیشین گوئی کا پورا ہونا یقینی ہے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب پوری ہو اس لئے ضرورت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تفصیلات کو یاد رکھیں اور اپنے اہل و عیال تک یہ بات پہونچاتے رہیں کہ ایک دجال بھی آنے والا ہے جس کی یہ یہ صفتیں ہوں گی۔ خصوصاً ظہور دجال کے وقت ایک مسلمان کو کیا کرنا چاہیے۔ اس بات کا جاننا تو ہر مومن کے لئے بہت ضروری ہے۔

آج سائنس اور جدید انکشافات نے بہت سی محیر العقول باتوں کو ایک زندہ حقیقت بنا کر ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یا اس کی کسی تفصیل پر کوئی شخص حیرت و تعجب کا اظہار کرے خصوصاً لادینیت اور مذہب بیزاری کے اس دور میں جبکہ انسان خدا سے منھ موڑ کر اپنے لئے ایک نئی زندگی اور ایک نئے نظام حیات کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ماحول دجالی فتنہ کے لئے سازگار نہیں اور ان حالات میں دجال کا آنا اور ان تمام واقعات کا پیش آنا جن کی تفصیلات خطبے میں بیان کی گئی ہیں ناقابل قیاس ہے، افسوس بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اسلامی تعلیمات کے اس حصہ پر جو ان کی سمجھ میں نہیں آتے شک و تذبذب کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ کوئی ضروری نہیں کہ جو بات ہماری سمجھ میں نہ آئے اس کا وجود بھی غیر یقینی ہو، خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں تو کسی قسم کے شک و تذبذب کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

آوازِ دل

مولانا محمد شفیق الحق شفیق

"مولانا محمد شفیق الحق شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ گما باوی ضلع سلہٹ (مشرقی پاکستان) نے مسلمانوں کے اتحاد ملی اور مسلم شاورتی اجتماع پر یہ دلچسپ اور پرخلوص اشعار ارسال کئے ہیں جو ہدیۂ ناظرین ہیں۔"

مبارک ہو تجھے لکھنؤ مبارک ہو تجھے ندوہ ۔۔۔ کہ اسلامی عزیمت میں کرے مولیٰ تجھے قدوہ

جگا کر متحد کر دے ابھی تو قوم مسلم کو ۔۔۔ تفرق کو مٹا کے اب دکھا توحید کا جلوہ

بتا دے ہر مسلماں کو سبق اصلی شجاعت کا ۔۔۔ علم ہمت کا گرے نہ آئیگا کبھی کبوہ

بلا قوت تواضع سے شکایت گر کریں ہر دم ۔۔۔ یقیناً رائیگاں ہوگا مسلمانوں کا یہ شکوہ

وقار مسلمیں ہوگا ابھی سب کو سر تسلیم ۔۔۔ مسلماں قائدیں چھوڑیں اگر رسم نمک حلوہ

اٹھو جاگو مسلمانو! تمھیں گر ہوش ہو باقی ۔۔۔ تمہارے واسطے کافی رسول اللہ کا اسوہ

شفیقا موت بہتر ذلتوں کی زندگانی سے

شہیدوں کیلئے جبہ لباس تن کفن کسوہ

عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی

دعوت ، جهاد ، عمل

(۳)

محمد اجتباء الحسینی ندوی

میدان جہاد میں

عالم اسلام کے لئے فلسطین کا حادثہ ایک زبردست المیہ ہے جو شرمناک بھی ہے اور افسوسناک بھی۔ اس خطرناک حادثہ کا احساس دنیائے عرب و اسلام دونوں کو بہت پہلے سے ہوگیا تھا لیکن اس کی غفلت اور تن آسانی کیوجہ سے دنیا کی سب سے بدطینت قوم یہود سرزمین فلسطین کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کر سکی، اس المیہ کی طرف قوم و ملک کے روشن ضمیر اور پاکیزہ افراد نے توجہ مبذول کرائی لیکن ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ ان میں عالم عربی کی ہوش مند اور بے لوث اور حق و حریت کی طالب جماعت اخوان المسلمین پیش پیش تھی۔ شام میں ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی اخوان کے سربراہ پوری مستعدی اور قوت سے قوم کو اس خطرہ کی طرف توجہ دلا رہے تھے، دوسری جنگ عظیم کے دوران انگریزوں کے واسطہ سے یہودیوں کو فلسطین میں قدم جمانے کے موقعے مل رہے تھے فلسطین کے مشہور مجاہد شیخ محمد الخطیب اس خطرہ کا اندازہ کرکے ۱۹۴۳ء میں دمشق آئے اور امیہ ہوٹل میں ٹھہرے تاکہ شامیوں سے اس سلسلہ میں گفتگو کریں۔ ڈاکٹر سباعی نے ان سے ملاقات کی اور صورت حال دریافت کی۔ ان سے رخصت ہوکر اخوان کے مرکز جو اس زمانہ میں "شبان المسلمین" کے نام سے موسوم تھا آئے اور فلسطین سے متعلق اپنی اپنی تقریر کی، مجمع ہمہ تن گوش بن کر سنتا رہا، تقریر ختم ہوئی ہی تھی کہ پورا مجمع جوش اور جذبہ جہاد سے بے خود ہوکر وزیر اعظم سعد اللہ الجابری کی قیام گاہ کی طرف چل کھڑا ہوا، اور اپنے درد و غم اور تشویش کا اظہار کیا انہوں نے اس مسئلہ کے لئے فوری اقدام کا وعدہ لے کر منتشر ہوگیا۔

اس کے بعد مصطفیٰ السباعی صاحب نے پورے ملک شام کا ہنگامی دورہ کیا اور فلسطین کے خطرہ کی تفصیل کو عوام کے سامنے پیش کیا جس سے قوم میں ... جوش جہاد اور حمایت حق کا جذبہ پیدا ہوا۔ دوسری جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد اخوان المسلمین نے ڈاکٹر صاحب کی قیادت میں تین میدانوں میں فلسطین کے لئے جدوجہد شروع کی۔

۱۔ عرب لیگ اور اپنی حکومت و سرکاری مراکز کے سامنے یادداشتیں اور مطالبے پیش کرنا۔

۲۔ شہروں، گاؤں اور محلوں میں عام اجتماع اور پبلک تقریریں کرنی۔

۳۔ عملی طور پر انھوں نے اپنے نوجوانوں کو دریافت حال کے لئے فلسطین روانہ کئے۔ تاکہ وہ یہودیوں کی ریشہ دوانیوں اور ان کے ارادوں کا بغور مطالعہ کریں۔ ان نوجوانوں نے یافا، تل ابیب، حیفا و بیت المقدس اور یہودی نوآبادیوں کا دورہ کیا، اور جب ۴۸ء ۱۹ میں تقسیم فلسطین کا سانحہ پیش آیا تو مصطفیٰ السباعی اور ان کی جماعت اخوان المسلمین نے اپنی شاندار اور ولولہ انگیز تقریروں اور تحریروں سے پوری قوم اور عالم عرب میں جوش جہاد اور شوق شہادت کا صور پھونک دیا، بچہ بچہ کی زبان پر "اللہ اکبر والموت فی سبیل اللہ اسمیٰ امانینا" کا دلکش و دلگداز نعرہ تھا، استاذ سباعی مجاہدین اور اسلحہ کی فراہمی کے لئے دمشق سے نکل کھڑے ہوئے تھوڑی جدوجہد و کاوش سے تھوڑے بہت ہتھیار مہیا ہوگئے اور عرب لیگ اور متحدہ محاذ جنگ کے مسلسل اعلانات کے بھروسہ پر کچھ زیادہ ہتھیار کے لئے دوڑ دھوپ بھی نہیں اور پاسانی ملنے کی توقع بھی کم تھی، ہر شہر اور گاؤں سے اخوانی مجاہدین کو لے کر اپنے آبائی شہر حمص پہونچے، وہاں والد بزرگوار سے ملاقات کی، مگر انھیں یہ نہیں بتایا کہ خود بھی جہاد میں شرکت کرنے کا ارادہ ہے کیونکہ انھیں خطرہ محسوس ہوا کہ والد صاحب ان کے بلڈ پریشر کی بیماری کی وجہ سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اتفاقاً ان کے ایک چھوٹے بھائی نے بھی قافلۂ مجاہدین میں شریک ہونے پر اصرار کیا اور ان کے والد سے اس بات سے ... نہیں رکھ سکے، اور یہ قافلہ دمشق پہونچ گیا۔

دوسرے دن صبح کو استاذ سباعی کے والد حسنی السباعی صاحب نے اخبارات میں پڑھا کہ ان کے بیٹے اخوانی مجاہدین کے سربراہ بن کر فلسطین جارہے ہیں خبر پڑھتے ہی بیٹے کے پاس دمشق پہونچے اور ان سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ خبر صحیح ہے؟

باپ بیٹے کی اس گفتگو کو خود انھیں کی زبان سے سنئے اور ایمان وعقیدہ اور جہاد و قربانی کی داد دیجئے:

"میں نے والد صاحب کو جواب دیا کہ خبر بالکل صحیح ہے! والد صاحب نے تھوڑی دیر سوچا پھر فرمایا:

" کیا تمھیں یہ اندازہ نہیں کہ یہ تمھارا سفر ہی بغیر جنگ کے تمھاری زندگی کو کتنے خطرہ میں ڈال سکتا ہے اور اگر تم نے جنگ کی تو کیا حشر ہوگا؟

میں نے کہا! والد محترم! آپ جانتے ہیں کہ موت خدا کے ہاتھ میں ہے، اس لئے انسان کے لئے شہادت کی موت، بیماری کی موت سے بہتر ہے۔

فرمایا کہ: میں تمھیں جہاد سے روکنے کی کوشش نہیں کرتا ہوں، خدا کی قسم اگر میں جنگ کر سکتا ہوتا تو میں پہلا شخص ہوتا جو تمھارے قافلے سے جنگ کے لئے نکلتا لیکن تم جانتے ہو کہ تمھارا بھائی بہت چھوٹا ہے اور تمھاری والدہ یہ برداشت نہیں کر سکتی ہیں کہ تم دونوں فلسطین جاکر جنگ کرو، لہٰذا اپنے بھائی کو سمجھاؤ کہ تمھارے ساتھ جانے کے بجائے میرے ساتھ حمص واپس چلے۔

میں نے جواب دیا کہ: میں نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ اس پر کسی طرح راضی نہیں ہو رہا ہے یہ بات سنکر ان کی آنکھیں اشک آلود ہوگئیں اور دو قطرے زمین پر ٹپک کر جذب ہوگئے، پھر مجھ سے فرمایا:

جاؤ! میں نے تم دونوں کو خدا کے سپرد کیا، اللہ تعالیٰ تمھاری حفاظت کرے، اور تمھارے مجاہد بھائیوں کی، اللہ تمھاری مدد کرے اور تمھیں کامران و شادماں کرے اور تم واپس ہوگئے"۔

یہ جوش جہاد اور شوق شہادت، دنیائے اسلام کے ایک مبارک اور گرانقدر خطہ کی حفاظت اور غیر ملکی اقتدار و جبر و ستم کے شکار ہونے سے اسے بچانے کے لئے مصطفیٰ السباعی نے شام یونیورسٹی کی پروفیسری کلیۃ الشریعۃ کا اہتمام اور قوم کی رہبری اور گھربار کی ذمہ داری چھوڑ چھاڑ راہ خدا میں چل پڑے، یہ بھی نہ سوچا کہ بیماری بڑی سنگین اور خطرناک ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے، مگر وہ جان ہی کیا جو خدا اور اس کے دین کے کام نہ آئے۔

کچھ دنوں خود بھی فوجی مشق کی اور اپنی جماعت کے نوجوانوں کو بھی مشق کرائی اور فلسطین کو یہودیوں سے نجات دلانے کے لئے محاذ جنگ پر آ کھڑے ہوئے اور سب سے خطرناک اور نازک محاذ بیت المقدس تک لڑتے لڑاتے پہونچ گئے۔ عرب لیگ اور عرب حکومتوں نے بھی فوجیں اور ذخیرے بھیجے تھے انھیں بھی دینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ سب وعدے سراب ثابت ہوئے۔ مسجد اقصیٰ کا مقابلہ بڑا سخت تھا، یہودی بستیوں سے مسلسل بمباری ہو رہی تھی یہ بھی جواب پر جواب اور مقابلہ پر مقابلہ کئے جارہے تھے، آخر میں یہ طے کیا کہ قدیم قدس کے یہودی محلہ پر بھرپور حملہ کیا جائے کیونکہ وہ بڑی گنجان اور مستحکم آبادی تھی۔ اخوانی مجاہدین ہمت کرکے ایک ایک گھر ڈھاتے اور تباہ کرتے آگے بڑھتے گئے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی پیش پیش تھے۔ آخر کار یہودیوں نے ذخیرہ اور ہتھیار ختم ہو جانے کی وجہ سے ہتھیار ڈالدیئے، اور عرب مرکزی قیادت کی طرف سے یہ حکم نامہ پہونچا کہ ہتھیار چلانے والے نوجوانوں کو قتل کر دیا جائے، اور بوڑھوں، بچوں، عورتوں خواہ وہ جنگ کر سکتے ہوں بیت المقدس کی نئی آبادی جس پر یہودیوں کا قبضہ ہو چکا تھا پہونچا دیا جائے[1]۔ ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ کا تذکرہ کیا، جو دلچسپ بھی ہے اور مضحکہ خیز بھی! فرمایا کہ: ہم سب یہودیوں کو یکجا کر رہے تھے کہ ایک ساٹھ سالہ بوڑھا میرے پاس روتا چلا آیا اور اس نے دمشقی لہجہ میں کہا کہ حضور! کیا یہ انصاف ہے؟ کیا یہ حرام نہیں؟ میں نے اس سے کہا: کیا بات ہوئی؟ اس نے روتے ہوئے جواب دیا، حضور! میری ٹوپی کھو گئی ....! اس

[1] یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جنگ کرنیوالوں کی تعداد ... سے زائد تھی لیکن عرب حکومتی ذمہ دار نے صرف ... کو قتل کرنیکا حکم دیا

اللہ حضارۃ الاسلام فلسطین نمبر ص ۱۲۱)

کی اس بات سے مجھے غصہ بھی آیا اور ہنسی بھی، میں نے غضب ناک ہوکر کہا کہ تم نے "دیر یاسین" میں ہمارے بچوں، لڑکیوں کو کس بے رحمی اور درندگی سے قتل اور ان کے ساتھ بدسلوکی اور بے ہودگی کی ہے! کیا آج ہمارا یہ انصاف تمھارے لئے کافی نہیں ہے کہ تم زندہ سلامت ہو اور شام کو جدید بیت المقدس میں اپنے بھائیوں کے ساتھ ہوگے، اور اس کے باوجود ایک ٹوپی کے کھوئے جانے کا گلہ ہے!....

ڈاکٹر صاحب نے یہ جنگ بڑی بہادری، جوانمردی اور ثابت قدمی سے لڑی اور کئی دن تک "جامعہ عبریہ" اور "ہداسہ اسپتال" کا محاصرہ کئے رہے اور قریب تھا کہ دونوں فتح ہو جائیں لیکن عربی قیادت کی "عنایت" سے انھیں وہاں سے مجبوراً ہٹنا پڑا اور آج بھی وہ اقوام متحدہ کے زیر نگرانی یہودیوں کے قبضہ میں ہے اور اس میں فوج اور اسلحہ و ذخیرہ رہتے ہیں جو بیت المقدس کی سب سے اونچی اور خطرناک جگہ "زیتون پہاڑی" پر واقع ہے۔

اس معرکہ میں کئی مرتبہ سباعی صاحب خطرناک اور نازک حالتوں سے گذرے لیکن اللہ تعالیٰ کو ابھی ان سے بہت کام لینا تھا۔ بچ گئے، زخم کئی لگے لیکن مہلک نہیں ثابت ہوئے۔ اس مرد مجاہد نے قلم اور زبان کے جہاد کے ساتھ ساتھ شمشیر و سناں کے جہاد میں بھی شریک ہوکر قرن اول کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن (اقبال)

پاکستان ولبنان کی عالمی کانفرنس میں

ڈاکٹر صاحب مرحوم ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ انھیں ہر موضوع و فن میں یکساں دستگاہ اور قدرت حاصل تھی، کسی موضوع پر گفتگو کرتے تو اس پر پیر حاصل بحث کرتے تھے۔ سننے والے اس میں تشنگی اور خامی نہیں محسوس کرتے تھے، اس سلسلہ میں وہ اپنے معاصر علماء اور فضلاء کے درمیان امتیازی شان رکھتے تھے اور وہ لوگ اس سے بخوبی واقف اور ان کے قدردان تھے، اسی لئے ڈاکٹر صاحب کو ہر مجلس و محفل میں اپنا ترجمان اور امیر بنایا کرتے تھے اور موصوف اس کا پورا پورا حق ادا کرتے تھے، اور ہر جگہ شمع محفل اور میر مجلس ہوتے تھے،

پاکستان نے ۱۹۵۱ء میں ایک عالمگیر پیمانہ پر ایک اسلامی کانفرنس منعقد کی جس میں مشرق و مغرب کے ہر مکتب خیال و فکر کے لوگوں کو مدعو کیا۔ وہ کانفرنس تو اسلامی موضوعات پر تھی لیکن یورپین شرکاء کانفرنس نے اپنے طرز فکر کے لحاظ سے اسے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہا۔ شام کے وفد کے صدر ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی تھے انھیں اس کا اندازہ ہوگیا، اور انھوں نے یورپین مفکرین کے اس مقصد کو ناکام بنا دیا اور اپنے زور خطابت اور شیریں بیانی، سحر انگیزی اور قوت استدلال اور عالمانہ تقریر و گفتگو سے پوری کانفرنس پر چھاگئے اور اسلام کی سچی اور صحیح ترجمانی کی جس کا اعتراف سارے شرکاء کانفرنس نے کیا۔ پاکستان سے قلبی لگاؤ اور دینی تعلق کی بنا پر اس کے لئے بہترین خدمت انجام دی اور تاحیات اس کی خیر و بہبودی کے لئے داعی اور کوشاں رہے۔ برگس وناکس سے اس کے حالات سنتے اور جس مقصد کی خاطر وہ ہندوستان سے جدا ہوا تھا اس کی برآری کے لئے دل سے دعا کرتے تھے۔

اسی طرز کی دوسری کانفرنس ۲۲ سے ۲۷ اپریل ۱۹۵۴ء میں لبنان کی ایک بارونق اور پرفضا تفریح گاہ "بحمدون" میں "امریکی انجمن احباب برائے مشرق وسطیٰ" کی طرف سے منعقد کی گئی اس میں عالم عربی اور دنیائے اسلام کے وفد اور مندوبین خاص طور سے مدعو کئے گئے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ دنیائے اسلام اور مسیحیت کا روسی کیمونزم کے خلاف ایک عالمگیر محاذ و بلاک بنایا جائے۔

شروع میں شامی وفد اس میں شرکت کے لئے پس و پیش کر رہا تھا۔ لیکن بعد میں یہ سوچ کر کہ اس کے غلط سیاسی مقاصد کی بیخ کنی کرنی چاہیے۔ شرکت کرنا منظور کر لیا اور ڈاکٹر سباعی اس کے سربراہ منتخب ہوئے۔ کانفرنس کا موضوع سخن "کیمونزم کے خلاف اسلام و عیسائیت کا جواب" تھا۔ اسلام کا رد اشتراکیت کا موضوع جس بزرگ کے سپرد کیا گیا تھا انھوں نے گالی گلوچ اور سخت و سست اور چیخ کے سوا کچھ نہیں پیش کیا۔ سارے عرب مندوبین اس سے مطمئن نہیں ہوئے اور اس سے جھنجلاہٹ اور سبکی محسوس کی، اس لئے انھوں نے کانفرنس کے ذمہ داروں سے مطالبہ کیا کہ انھیں دوسرے محاضرہ کا موقع دیا جائے پہلا مقالہ ان کے افکار و خیالات کی صحیح ترجمانی نہیں کر رہا ہے اور سب نے متفقہ طور پر سباعی صاحب کے ذمہ یہ نازک اور سنگین کام کیا، انھوں نے اسی وقت ایک موثر اور جامع اور فاضلانہ مقالہ تیار کیا فوراً ہی انگریزی میں ترجمہ کیا گیا اور پڑھا گیا۔

(باقی ص ۱۹ پر)

دار المصنفین کی خدمات

اگر دار المصنفین کی تصنیفات پر عمومی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو درحقیقت اس نے مولانا شبلی کے اسی مطمح نظر کو سامنے رکھا ہے جو اس کی بنا و تاسیس کے وقت ان کے پیش نظر تھا۔ اس نے اپنی تصنیفات و تالیفات و تراجم میں دین و دنیا دونوں کو جمع کیا کہ اردو زبان اور اردو داں مسلمانوں کو دونوں کی ضرورت ہے، ایک طرف وہ طبقہ ہے جو صرف مشرقی زبانوں سے آگاہ ہے ان لوگوں کے لئے ضرورت تھی کہ جدید علوم اور جدید خیالات کو اردو کا جامہ پہنا کر ان کے سامنے پیش کیا جائے خصوصاً ایسی بلند پایہ محققانہ اور کلاسیکل کتابیں جن سے کسی زبان کو استغنا نہیں ہو سکتا، دوسری طرف ہمارا جدید تعلیم یافتہ گروہ ہے جو اسلامی علوم و آداب اور اسلامی تاریخ کا طلبگار ہے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس گروہ کے سامنے دور حاضر کے جدید اصول ترتیب و تہذیب کے ساتھ اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و آداب پیش کئے جائیں چنانچہ دار المصنفین کے ارباب بست و کشاد نے ملک کی ان دونوں ضرورتوں کا احساس کیا اور اس مجلس کی طرف سے دینی و دنیاوی دونوں قسم کے تالیفات و تراجم شائع کئے جو ملک میں عام طور پر مقبول ہوئے، اس وقت تک مجلس دار المصنفین کی طرف سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں، وہ مذہب، ادب، تاریخ، فلسفہ اور مختلف فنون پر مشتمل ہیں کتابوں کی اشاعت کے ساتھ لوگوں کے اختلاف مذاق کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے اور ان کے مذاق کے مطابق سامان بہم پہنچایا جاتا ہے، ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی طرف سے خیام اور حیات شبلی پر پانچ پانچ سو کے انعامات، ساہتیہ اکاڈمی دہلی کی طرف سے آل وشنیت پر پانچ ہزار کا انعام اور اتر پردیش کی حکومت کی طرف سے "ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک" اور "ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام" پر علی الترتیب ایک ہزار اور بارہ سو کے انعام ملے اور اس کی بہت سی مطبوعات ہندوستان اور پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہیں،

دار المصنفین کی تالیفات اردو میں ہونے کے باوجود ان کو یہ قبولیت حاصل ہوئی کہ اس کی بعض کتابیں ملک کی بعض دوسری زبانوں اور غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں، چنانچہ ہندوستان کی مختلف علاقائی زبانوں میں سے بنگالی، گجراتی، ملیباری زبانوں میں اس کی تصنیفات، رسائل اور مضامین کے ترجمے ہوئے لیکن اس سے زیادہ قابل مسرت اس کی کتابوں کا بعض غیر ملکی زبانوں مثلاً فارسی، عربی اور ترکی میں منتقل ہونا ہے۔ چنانچہ شاہ امان اللہ خاں کے عہد حکومت میں افغانستان میں جہاں کی ملکی اور دفتری زبان فارسی تھی، دار المصنفین کی متعدد کتابوں کے ترجمے ہوئے اور اس سے پروفیسر براؤن کی وہ تمنا پوری ہو گئی کہ کاش شعر العجم فارسی اور انگریزی میں منتقل ہو جاتی۔

اسی طرح عربی زبان میں بھی اس کے بعض رسائل کے ترجمے ہوئے، اور بعض کتابوں کے ترجمہ کی کوشش جاری ہے، ان سب سے زیادہ فخر و مسرت کی بات ترکی کے فرنگ پسند جمہوریت کے عہد میں دار المصنفین کی متعدد اردو کتابوں کا ترکی زبان میں ترجمہ ہونا ہے، چنانچہ اس وقت تک سیرۃ النبی، الفاروق، سیرت عائشہ اور خلفائے راشدین ترکی زبان میں منتقل ہو چکی ہیں، اسی طرح دار المصنفین کے آرگن رسالہ معارف کے بلند پایہ مضامین کے ترجمے ہندوستان کی مختلف دیسی زبانوں اور عربی فارسی ترکی اور انگریزی وغیرہ میں اکثر ہوتے رہتے ہیں اور سیرۃ النبی کی جلدوں کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہوا ہے اور ایک خبر کے مطابق مصر کے کچھ اہل علم اس کا ترجمہ عربی میں بھی کر رہے ہیں

دار المصنفین کی تالیفات کے ان ترجموں اور اس کی عربی تصنیفات کی اشاعت کی بدولت اس کی شہرت قدرتی طور پر ہندوستان سے نکل کر بحمد اللہ دنیا کے دوسرے حصوں اور ملکوں میں جا پہنچی ہے اور اس کے شاندار علمی کارناموں کی بدولت ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مختلف ملکوں افغانستان، عراق، عرب، مصر، ترکی، انگلینڈ، فرانس جرمنی اور امریکہ کے علمی حلقوں سے اس کا تعارف اور علمی ارتباط قائم ہو گیا اور وقتاً فوقتاً ان ممالک کے اہل علم اور ریسرچ اسکالروں اور دار المصنفین کے رفقاء و مصنفین کے درمیان علمی مسائل و تحقیقات میں افادہ و استفادہ، مکاتبت و مراسلت اور تبادلہ خیالات کا ایک سلسلہ قائم ہے ۱۹۲۱ء میں جب شام کے شہر دمشق میں ایک علمی اکاڈمی المجمع العلمی العربی قائم ہوئی تو اس نے ہندوستان میں سب سے پہلے دار المصنفین کی طرف اپنا دست اخوت اور مودت بڑھایا اور اپنے خاص آرگن المجمع العلمی العربی میں یہاں کی تالیفات پر حوصلہ افزا تقریظیں لکھیں، اسی طرح مصر کے بلند پایہ رسائل المقتطف، المنار، الزہرا وغیرہ میں دار المصنفین کی خدمات کا اعتراف کیا گیا، اور اس کی تصنیفات پر عمدہ تنقیدیں نکلیں اور معارف کے مضامین بھی ان میں ترجمہ ہو کر شائع ہوئے، اسی طرح دار المصنفین کی کتابوں کے ترکی ترجموں کی تقریب سے دار المصنفین اور اس کے رفقاء و مصنفین کے متعلق قسطنطنیہ اور انگورا کے اخبارات و رسائل میں بلند پایہ مضامین نکلے، اور ان کی علمی خدمات کو سراہا گیا۔ انگورہ میں جب "تدقیقات و تالیفات اسلامیہ ہیئت سی" کی تاسیس ہوئی، اور اس مجلس علمی کو ہندوستان سے علمی تعلقات پیدا کرنے کا خیال پیدا ہوا تو اس نے دار المصنفین کو اپنا واسطہ بنایا اور اس کے ذریعے اس ملک سے تعلقات پیدا کئے، فرانس کے ممتاز علمی رسالہ "ماندے مسلمان" میں ایک سے زیادہ مرتبہ دار المصنفین کا نمایاں تذکرہ آیا، امریکہ بھی دار المصنفین کے آوازۂ شہرت سے خالی نہیں رہا، مشہور مستشرق پادری زویمر اور ٹٹرمرے وغیرہ نے وہاں کے رسائل میں "ہندوستان میں اسلام اور مسلمان" کے موضوع پر لکھتے ہوئے دار المصنفین کا تذکرہ کیا اور یہ تعجب سے سنا جائے گا کہ امریکہ میں دار المصنفین کے فرط شہرت کی بنا پر ندوۃ العلماء کا مرکز بھی اعظم گڑھ ہی سمجھ لیا گیا، اور اسکو "ماڈریٹ کنزرویٹو جدید الخیال قدامت پسند" کا خطاب دیا گیا۔ علاوہ ازیں وہاں کے رسائل کے بعض مضامین میں دار المصنفین کو "مسلمانوں کی جدید اصلاحی تحریک" کا مرکز قرار دیا گیا، کیلیفورنیا یونیورسٹی میں اس ادارہ کی علمی سرگرمیوں سے پوری دلچسپی لی جا رہی ہے اور وہاں سے کئی خطوط میں اس کی علمی خدمات کی تحسین کی گئی ہے۔

انہی مختلف ذرائع سے یورپ کے ممتاز اور نامور مستشرقین کے حلقوں تک دار المصنفین کی علمی خدمات کا آوازۂ شہرت پہنچا، ان میں سے خصوصیت کے ساتھ پروفیسر براؤن، ڈاکٹر نکلس اور موسیو لیوی ماسنان وغیرہ قابل ذکر ہیں اور ان افاضل وقت نے مشرق کی اس گرانمایہ زبان اردو کے ترجمان سے رشتۂ اتحاد قائم کرنے میں کسرشان نہ سمجھا، پروفیسر براؤن کو مولانا شبلی کی شعر العجم سے انتہائی عقیدت کی وجہ سے دار المصنفین سے دلی لگاؤ تھا، اسی طرح فرانس کے مشہور مستشرق موسیو لیوی ماسنان سے بھی خصوصیت کیساتھ علمی رشتہ قائم ہو گیا جس کی ابتدا ۱۹۲۳ء میں ہوئی، وہ جب پیرس یونیورسٹی میں "اسلام میں پیشہ کی اجتماعی حیثیت" پر لکچر دینے کی تیاری کر رہے تھے تو اس سلسلہ میں بعض معلومات کے لئے انہوں نے مشرق کی اس علمی انجمن کی طرف بھی مراجعت کی۔

محمد سعید رمضان البوطی پروفیسر دمشق یونیورسٹی

میخانۂ یورپ کے نرالے انداز

ترجمہ: نور عظیم ندوی

یورپ نے سارے عالم پر اپنی سیادت و قیادت اور اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے نئے نئے ذرائع اور عجیب عجیب حیلے ڈھونڈھ نکالے ہیں، وہ کبھی جنگ کی آگ بھڑکاتا ہے تو کبھی امن و سلامتی کے نعرے لگاتا ہے، کبھی نسل پرستی اور قومیت کے نغمے الاپتا ہے تو کبھی تہذیب و ثقافت کی سحرکاری سے انسانوں کی عقل و ہوش پر ڈاکہ ڈالتا ہے، کبھی آزادی اور جمہوریت کی تھپکیوں سے سلاتا ہے تو کبھی تعلیم و تربیت کا بادۂ گلفام پیش کرتا ہے لیکن ان سب میں سب سے زیادہ پرفریب اور خوبصورت سحر اور سب سے زیادہ نشہ آور شراب، تعلیم و تربیت ہے، یہی وجہ ہے کہ "خواجگان یورپ" کی توجہات کا مرکز اول تعلیم رہتا ہے۔ اور ساقی کا کمال یہ ہے کہ جام مے "تشنہ کاموں" کو دینے سے پہلے اتنی حسین اور پرکشش شکل میں پیش کرتا ہے اور اپنی "تاثیر نگاہ" سے ان میں ایسی طلب پیدا کر دیتا ہے کہ بادہ خوار اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ پھر ساقی کمال چابکدستی سے "بادہ ناب" کی صورت میں "زہراب" سادہ لوحوں کی حلق میں انڈیل دیتا ہے جس کے اثر سے انکے اندر کا انسان، ان کا عمل، ان کا احساس خودی اور ان کا شعور ـــــ یہ سب تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں اور ساقی کے لبوں پر فاتحانہ تبسم پھیل جاتا ہے۔

لیکن انھیں بادہ خواروں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو دور جام کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں اور ساقی کی نگاہ کو بھانپ لیتے ہیں۔ پھر جرأت رندانہ سے کام لیکر میکدہ کا راز فاش کر دیتے ہیں۔

ذیل کا مضمون اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس میں افریشیائی ممالک میں یورپ کی تعلیمی سرگرمیوں کے اصل مقصد کو واضح کیا گیا ہے۔ اردو داں حلقہ کے لئے اس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ ـــــ (مترجم)

ابتدائے اسلام سے آج تک استعمار پسندوں سے ہمارے جتنے بھی معرکے ہوئے ہیں ان تمام میں ان کا اساسی اور بنیادی مقصد یہ رہا ہے کہ دیوار چین سے لیکر قلب فرانس تک کے جتنے ممالک پر مسلمانوں نے اسلامی فتوحات کے زمانہ میں فتح و ظفر کا علم لہرایا تھا اسے مستعمرین جن کو اپنی ملکیت سمجھتے رہے ہیں ـــــ مسلمانوں سے چھین کر از سر نو اپنے قبضے میں کر لیں چنانچہ وہ اسی وقت سے یہ حسین و جمیل خواب دیکھ رہے ہیں کہ ایشیا و افریقہ کے وہ تمام ممالک جن پر کسی زمانہ میں ان کا قبضہ تھا پھر ان کے زیر نگیں آجائیں اور وہ اس کے ساتھ ہی ادھر ادھر سے جتنا ممکن ہو دوسرے ممالک بھی غصب کر لیں۔ تاکہ استعمار کی بنیادیں زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو سکیں اور انھیں یہ اطمینان ہو جائے کہ دنیا کی سیاسی و فکری قیادت دوبارہ انہی کے ہاتھوں میں آگئی اور ان ہی کی تہذیب تمام تہذیبوں پر غالب رہی۔

ابتدائے اسلام سے صلیبی جنگوں کی طویل مدت میں اس "اہم مقصد" کے حصول کا واحد ذریعہ فوجی معرکہ آرائیاں رہی ہیں، اس کے علاوہ کسی دوسرے راستہ میں انھیں کوئی فائدہ نظر نہیں آیا۔ اور کسی دوسری طرف ان کے ذہن متوجہ بھی نہیں ہوئے۔ لیکن صلیبی جنگوں کے بعد جبکہ اس طویل اور خونریز جنگ کا نتیجہ عبرتناک شکست کی صورت میں ظاہر ہوا۔ استعماری طاقتیں یہ محسوس کرنے لگیں کہ انھوں نے مسلمانوں کی قوت کے اصل سرچشمہ اور ان کی بنیاد پر حملہ نہیں کیا بلکہ ظاہری اور نسبتاً غیر اہم چیزوں میں الجھے رہے، صلیبی جنگوں میں انھیں مسلمانوں کی زندگی اور انکے مختلف حالات کے مطالعہ کا خاصا موقع ملا اسی وقت انھیں معلوم ہوا کہ اسلامی فتوحات کا اصل سبب مسلمانوں کی شجاعت اور ان کی فوجی مہارت نہیں بلکہ اس کے پس پردہ کوئی اور ہی راز پوشیدہ ہے۔

ایک عرصہ تک مسلمانوں کے قریب رہنے اور ان کی زندگی کا براہ راست مطالعہ کرنے کے بعد اس راز کا انکشاف کچھ مشکل نہیں تھا کہ مسلمانوں کی فتح و نصرت اور ان کی قوت کا اصل خزانہ مذہب اسلام ہی ہے جو بیک وقت ایک عقیدہ بھی ہے، اخلاقی دستور بھی اور مکمل نظام زندگی بھی۔

اس راز کے انکشاف کے بعد استعماری طاقتوں نے پرانی تلوار نیام میں ڈال دی جس سے طویل مدت تک مسلسل خونریزی کے بعد بھی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا اور ایک ایسی نئی تلوار کی تلاش میں مصروف ہو گئے جو ٹھیک اسلام کے سینے میں اتر جائے اور اسلام بالکل ختم ہو جائے خواہ اسلامی عقیدہ ہو یا اسلامی دستور اخلاق یا اسلامی نظام زندگی۔ چنانچہ صلیبی جنگوں کے بعد پہلا مسیحی مبلغ جو ان اغراض کے تحت عالم اسلامی میں داخل ہوا وہ ریمان لول تھا یہ اسپین کا باشندہ تھا اور بہت مشکل سے عربی زبان سیکھ سکا تھا[1]

ابتداء میں یہ نئی جنگ بالکل سادہ تھی اس میں فنی باریکیاں نہیں تھیں لیکن استعماری طاقتیں اس بنیادی قوت کے انکشاف کے بعد جس سے ایک عرصہ تک عالم اسلامی فائدہ اٹھاتا رہا، خاموش نہیں بیٹھ سکتی تھیں وہ برابر اس کے لئے پروگرام بناتی رہیں۔ اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتی رہیں اور مختلف وسائل تلاش کرنے میں مصروف رہیں۔ ان تمام سرگرمیوں میں بہت احتیاط بھی برتی گئی کہ کہیں مسلمان بھی ان کی چالوں سے واقف نہ ہو جائیں۔

اس نئی جنگ کی تیاری اور اس کے وسائل کی تلاش میں مغربی ذہن اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرتا رہا چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں یہ جنگ ایک مستقل اور دقیق فن بن گئی اور اس کے لئے موثر ترین نفسیاتی اسلحہ ایجاد کر لئے گئے۔

وہ کون سے اسباب ہیں جنھوں نے اسلام کو مستعمرین کی نگاہوں میں اتنا اہم بنا دیا اور اسلام کی کیا خصوصیتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے تمام اسلحہ کا رخ اسلام کی طرف موڑنے پر مجبور ہو گئے؟

اگر ان اسباب کی تفصیل بیان کی جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اور میں سمجھتا ہوں کوئی مسلمان اسلام کے ان خصائص سے کلی طور پر ناواقف بھی نہ ہوگا ـــــ (باقی صفحہ ۴۵ پر)

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الغارۃ علی العالم الاسلامی تالیف اے ایل شاتلیہ ترجمہ محب الدین الخطیب۔

چومرگ امید
تبسم برلب اوست

تبسم الحسن ندوی

(۱)

حضرت خیر نساج اپنی عمر کی ۱۲۰ منزلیں طے کر چکے ہیں، مگر اب بھی نماز وغیرہ کے لئے تمام اہتمام خود ہی فرماتے ہیں۔ ایک شب کی بات ہے کہ وہ عشاء کی نماز کی تیاری میں مشغول تھے، وضو سے فراغت کے بعد جب ذرا آگے بڑھے تو سامنے عزرائیل کو موجود پایا۔ دیکھ کر رک گئے اور فرمایا کہ "تم بھی مامور ہو اور میں بھی مامور ہوں، لیکن ہم دونوں کی کیفیت میں فرق یہ ہے کہ جس چیز کا تمھیں حکم دیا ہے ہے، تم اگر اس کو موخر کر دو تو وہ فوت نہ ہوگی، لیکن مجھے جس چیز کا حکم دیا گیا ہے، اگر میں اسے موخر کر دوں تو پھر میں اسے کبھی بھی ادا نہ کر سکوں گا اس لئے تم اتنی دیر رک جاؤ کہ میں اپنے فریضہ سے فارغ ہو لوں، پھر تم اپنے کام سے فارغ ہو لینا: اس کے بعد انھوں نے نماز پڑھی اور جان بحق ہو گئے۔

کسی نے انھیں خواب میں دیکھا اور سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا:

فرمایا "اس کے بارے میں سوال نہ کرو، یہی کیا کم ہے کہ میں اس نجس دنیا سے چھٹکارا پا گیا۔"

(تذکرۃ الاولیاء ص ۳۴۵)

(۲)

ایک گوشہ نشین عابد و زاہد کو عقیدت مندوں کی ایک بھیڑ نے گھیر رکھا ہے۔ ہر ایک اس کے دعا کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے اور وہ بستر مرگ پر خاموش لیٹے ہوئے ہیں اچانک اسے کوئی بات یاد آئی اور اس کے لبوں کو جنبش ہوئی وہ کہہ رہا تھا "ایک مرتبہ میری والدہ نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم پیدا نہیں ہوئے تھے، اس وقت ہمارے محلے میں ایک بہت ہی بڑے بزرگ عباس بن حمزہ رہا کرتے تھے۔ جن کا چرچا ہر سمت و ہر جانب تھا، دور دور سے لوگ ان کی زیارت کے لئے آتے تھے، مجھے بھی ان کی زیارت کا بہت شوق تھا، ایک دن میں نے تمھارے والد سے اجازت چاہی، انھوں نے بخوشی اجازت دے دی، میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ کچھ فرما رہے تھے، اس لئے دوسری عورتوں کے ساتھ میں بھی ایک گوشہ میں بیٹھ گئی، ابھی مجھے بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ انھوں نے فرمایا کہ آج تم سب لوگ دعائیں مانگو میں اس پر آمین کہتا ہوں۔ میں نے اس وقت یہ دعا مانگی "اے معبود حقیقی مجھے ایک ایسا فرزند عنایت کر جو تجھ سے ڈرتا ہو، دعا کے اختتام پر حضرت عباس بن حمزہ نے آمین کہا اور اس کے بعد مجلس برخاست ہوئی، میں بھی گھر واپس لوٹ آئی، اسی شب میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تم نے جو دعا مانگی تھی وہ قبول ہوئی اور تمھیں تمھاری حسب منشا ایک عابد و زاہد، ذاکر، شاغل، عالم و عامل لڑکا عطا کیا جائے گا اور اس کی عمر اپنے والد کے عمر کے برابر ہوگی۔"

اس کے بعد اس عابد نے پھر کہنا شروع کیا کہ میرے والد کی عمر ۷۲ سال کی تھی اور اب میری عمر کے ۷۲ سال پورے ہو چکے ہیں، اس وقت میرا وقت موعود آ چکا ہے اور اب میں تم سے جدا ہونے والا ہوں۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ پنج شنبہ کا دن تھا، اس لئے شب جمعہ کو میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ وہ ایک گوشہ میں بیٹھے وظائف میں مشغول ہیں، میں بیٹھا رہا کچھ وقفہ کے بعد میری طرف نگاہ اٹھائی اور باہر جانے کا اشارہ کیا، میں خاموشی سے باہر چلا آیا مگر دروازے سے لگ کر بیٹھ رہا۔ سحر کے وقت جب دوبارہ حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ ابدی نیند سو چکے ہیں: یہ تھے اپنے وقت کے مشہور عارف حسان بن محمدؒ جنھیں لوگ شیخ نیشاپوری کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲)

(۳)

مشہور صحابی رسول سعد بن ابی وقاصؓ درد و الم سے پریشان ہیں۔ تکلیف لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جا رہی ہے دیکھتے دیکھتے ان پر غشی طاری ہو گئی۔ سعادت مند بیٹے نے باپ، کا سر گود میں لے لیا اور اشک کا سیل رواں جاری ہو گیا ساتھ ہی سسکیوں کی دبی ہوئی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

ہوش میں آنے کے بعد باپ نے بیٹے کو روتا ہوا پایا تو رونے کا سبب دریافت کیا، لیکن بیٹے کی خاموشی دیکھ کر خود ہی جواب دیا کہ "تم میری اس حالت پر آنسو نہ بہاؤ کیونکہ اب تو میں قید سے چھٹکارا پانے والا ہوں اور ہمیشہ کے لئے عیش و آرام کی زندگی گزارنے والی جگہ میں جا رہا ہوں۔"

اس کے بعد اپنا پرانا اونی جبہ منگوایا، اور فرمایا انتقال کے بعد مجھے اسی جبہ میں کفن دینا کیونکہ میں نے اسی کو پہن کر غزوہ بدر میں بہت سے مشرکین کو جہنم واصل کیا تھا، اس کے بدلے آج کے دن کے لئے محفوظ کر لیا تھا، مجھے خوشی ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور امید ہے کہ تم لوگ اسی میں مجھے کفن دوگے۔ اس کے بعد متصلاً و قبلہ رخ ہو کر لیٹ گئے، اور پھر انھیں ایسی نیند آئی کہ دوبارہ نہ اٹھ سکے۔

(سیر اعلام النبلاء جز اول ص ۸۲)

(۴)

عزم و ارادہ کا راسخ یقین محکم و عمل پیہم کی زندہ مثال۔ سطوت و جبروت پر قادر، اپنے وقت کا مشہور بادشاہ، رکن طغرل بھی آج دوسروں کا محتاج ہے، کوئی دوسرا شخص اگر اسے پانی نہ دے تو وہ پیاس سے مر جائے کھانا نہ دے تو بھوک سے پریشان ہو جائے۔

آج وہ بستر مرگ پر پڑا ہوا ہے اور خدام و مصاحبین ہر چہار جانب مؤدب کھڑے ہوئے ہیں، ایک خادم نے سوال کیا؟ آپ اس وقت اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں۔ رکن طغرل کے ہونٹ ہلے اور اس نے کہنا شروع کیا۔

میری مثال اس بھیڑ کی طرح ہے جسے اون کاٹنے کی غرض سے کسی جگہ پر باندھ دیا گیا ہو، اور وہ یہ سمجھے کہ وہ مقتل میں آ گئی ہے، اور یہ اسیری قتل کا پیش خیمہ ہے جس کی وجہ سے اس پر خوف و ہراس طاری ہو جائے اور اس کو اپنی رگوں میں اپنا خون منجمد ہوتا محسوس ہو چند ہی لمحہ بعد جب کاندے اس کی طرف بال کاٹنے کے لئے بڑھیں تو اس کا شک یقین میں بدل جائے۔ لیکن جب بال کاٹنے کے بعد اسے رہا کر دیا جائے تو وہ فرط مسرت سے سب کچھ بھول جائے اور خوشی خوشی اپنی قیام گاہ کی طرف واپس آ جائے۔ لیکن دوسری مرتبہ جب اسے واقعی ذبح کرنے کے لئے باندھا جائے تو وہ اپنی اس اسیری پر مطمئن ہو، (باقی ص ۱۵ پر)

بقیہ عورت کی امارت

انھوں نے تو یہ فال بتایا۔ دوسرے الفاظ میں اس "وعید" سے خائف ہوئے اور یہ سمجھے کہ عورت کو امیر بنا کر بقا ممکن نہیں ہے مگر آپ یہ "فال کیوں نہیں لیتے؟ اور مخبر صادق علیہ السلام کی اس خبر پر پورا اعتقاد کیوں نہیں کرتے؟ یا پاکستان کی بقا آپ کو مطلوب نہیں ہے؟

ایک دوسری حدیث پر نظر کیجئے۔

اذا کانت امراؤکم خیارکم واغنیاؤکم سمحاؤکم وامورکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر من بطنھا و اذا کانت امراؤکم شرارکم واغنیاؤکم بخلاؤکم وامورکم الی نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا (ترمذی)	جب تمھارے حکام صالح افراد ہوں اور تمھارے مالدار سخی ہوں اور تمھارے کام شورے سے انجام پاتے ہوں تو تمھارے لئے پشت زمین، زمین کے باطن یعنی قبر سے بہتر ہے۔ اور جب تمھارے حکام برے لوگ ہوں اور تمھارے مالدار لوگ بخیل ہوں اور تمھارے کام تمھاری عورتوں کے ہاتھوں میں ہوں تو زمین کا باطن (یعنی قبر) تمھارے لئے اس کے ظاہر سے بہتر ہے۔

حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے مگر جماعت اسلامی کی طرف سے اس کی بھی ایک تاویل کر کے مغالطہ دینے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ "سر رشتہ حکومت حرم سرائے عشرت قانون کے ہاتھ میں" دے دینے کی ممانعت ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ بندہ پرور اس سے تو ہمارے دعوے کی مزید تقویت ہوتی ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب مرد امیر و خلیفہ یا صدر حکومت کو عورتوں کی اتباع کی ممانعت ہے تو عورت ہی کے ہاتھ میں کلیتہً "حکومت کی باگ ڈور دیدینے کی ممانعت تو بدرجہٗ اولیٰ ثابت ہوگی۔

(باقی آئندہ)

بقیہ چومرگ.....

اور یہ سوچ رہی ہو کہ بس اب عنقریب رہائی ہے، لیکن اسی غفلت میں اس پر چھری چل جائے۔

میری حالت بالکل اسی طرح ہے کیونکہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ میرا یہ مرض مجھے صحت کی طرف لے جائیگا یا موت کی طرف؛ اسی لئے تو برابر میں موت کے بعد کی زندگی کی تیاری میں مشغول ہوں، نہ معلوم کب عزرائیل آ پہونچے اور مجھے اپنے کئے ہوئے کا حساب دینا پڑے اس کے چند ہی گھنٹے بعد واقعی میں عزرائیل کی آمد ہو گئی اور ہر شخص ماتم گسار ہو گیا،

(وفیات الاعیان ج ۴ ص ۱۵۹)

بقیہ ڈاکٹر سباعی

اس مقالہ نے کانفرنس کا رخ ہی پلٹ دیا۔ اور کانفرنس اپنے سامراجی مقاصد میں ناکام ہو گئی، سباعی صاحب نے اپنے مقالہ میں کمیونزم کا ایک سیاسی اور علمی جائزہ لیا اور اس کا ناقدانہ تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر کمیونزم کے جارحانہ اقدام کا جواب اسلام میں جنگ ہے تو اس کا یہی جواب جارحانہ جمہوریت اور جارحانہ صہیونیت (یہودی تحریک) کا بھی ہے اور ہر اس طاقت اور قوت کا جواب ہے جو اس کی زمین و حق پر کوئی جارحانہ اقدام کرے بلکہ اگر وہ اس کے امن و نظام کو درہم برہم کرنا چاہے اگرچہ وہ خود اسی کے حلقہ سے تعلق رکھتا ہو[1]

"وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما، فان بغت احداھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ"

(ترجمہ) اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرا دو، پھر اگر چڑھا چلا جائے، ایک ان میں سے دوسرے پر تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر (باقی آئندہ)

[1] اشتراکیۃ الاسلام (ڈاکٹر سباعی) ص ۱۷۱

بقیہ میخانۂ یورپ.....!

سوائے ان کے جو اپنی ذہنی و فکری انحطاط میں تحت الثریٰ تک پہونچ چکے ہوں۔

اس وقت میں مختصر الفاظ میں اسلام کی اہمیت کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔

دین اسلام میں بیک وقت اہل اسلام کے لئے طاقت و قوت کا غیر معمولی خزانہ پوشیدہ ہے اور اعدائے اسلام کے لئے خطرات بھی ہیں کیوں کہ اسلام ایک عقیدہ بھی ہے۔ ایک دستور اخلاق بھی ہے اور ایک نظام زندگی بھی یہ عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں گھر کر لیتا ہے تو ان کو ایسی مخلوق کی صورت میں تبدیل کر دیتا ہے جو روئے زمین کی ساری طاقتوں کو ہیچ سمجھنے لگتی ہیں اس پر کسی کا رعب و دبدبہ اثر انداز نہیں ہوتا جب معاشرہ اس کے قوانین کے رنگ میں رنگ جاتا ہے تو انتہائی ٹھوس اور مضبوط ہو جاتا ہے، بلندی کی آخری چوٹیوں پر پہنچ کر لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتا ہے اور اپنی وسعت اور ترقی کے لئے خود بخود راہیں ہموار کرتا ہے اس کا نظام اخلاق جب معاشرہ کے افراد کو ایک لڑی میں پرو کر مجتمع کر دیتا ہے تو وہ ایک مضبوط حصار ثابت ہوتا ہے اور کسی طرف سے دخل اندازی کا موقع نہیں دیتا۔ جب تک کہ بعض افراد کے اخلاقی مفاسد سے حصار میں شگاف نہ پڑ جائے اور سب سے اہم خصوصیت یہ کہ اسلامی عقیدہ جب دل میں رچ بس جاتا ہے تو دونوں عناصر خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کے فریاد کی تاثیر دیکھ

فیاض

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔!

کوائف دار العلوم

فارغ ہونے والے طلبہ کا الوداعی جلسہ

۲۸ رجب ۱۳۸۴ھ مطابق ۴ دسمبر ۱۹۶۴ء کو حسب دستور اس سال بھی دار العلوم سے فارغ ہونیوالے طلبہ کے اعزاز میں الوداعی جلسہ منعقد ہوا جس میں فارغین نے اپنے اپنے تاثرات اور تجربات بیان کئے خصوصیت سے دار العلوم کی علمی زندگی کے اس سفینہ سفر کے اختتام پر اپنے گہرے قلبی تاثر کا اظہار کیا۔

آخر میں صدر جلسہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی جس میں موصوف نے خصوصیت کے ساتھ فارغین سے خطاب کیا۔ سب سے زیادہ جس بات پر آپ نے زور دیا وہ یہ تھی کہ اپنے آپ کو ناقص تصور کرنا چاہیے، اور کسی کامل یا اپنے سے بلند درجہ کے انسان کو اپنا مقتدیٰ اور مربی بنا کر اس سے فیض حاصل کرنے کی جد وجہد کرنی چاہیے اس لئے کہ انسان بغیر کسی انسان کی تربیت کے کسی بلند درجہ پر نہیں پہونچ سکتا، آپ نے تاریخ کی روشنی میں متعدد کاملین اور اولیاء اللہ کا یہ وصف بتایا کہ وہ علمی اعتبار سے انتہائی بلند درجے پر فائز تھے۔ مگر روحانی کمال حاصل کرنے کے لئے انھوں نے ایسی شخصیت کو منتخب کیا جس میں انھوں نے کشش اور ایمان کی قوت محسوس کی خواہ وہ علمی لحاظ سے کتنے ہی کم درجے کا انسان رہا ہو، امام احمد بن حنبل کے شیخ ایک معمولی درجے کے آدمی تھے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے سے کم تر درجے کے انسان کے پاس بیٹھ کر کیوں اپنی توہین کراتے ہیں تو انھوں نے سختی سے اس بات کا جواب دیا کہ "انا اجلس عند من اجد صلاح قلبی" میں وہیں بیٹھتا ہوں جہاں مجھ کو اپنے درد کی دوا ملتی ہے۔

اس سال فارغ ہونے والے طلبہ کی تعداد ۳۲ ہے، جس میں درجۂ فضیلت سے ۸ طلبہ اور درجۂ عالمیت سے [illegible] طلبہ فارغ ہوئے۔

مجلس ادب مدرسہ ثانویہ کا جلسہ تقسیم انعامات

چھوٹے طلبہ کی اخلاقی و ادبی اصلاح کے لئے جناب محمد حسن خاں صاحب عرشی ہیڈ ماسٹر (مدرسہ ثانویہ) نے مدرسہ مذکور میں طلبہ کی ایک انجمن قائم کی جس کا نام "مجلس ادب" ہے۔ اس مجلس کی طرف سے اساتذہ کی موجودگی و نگرانی میں ہفتہ وار جلسے ہوتے رہے جن میں اخلاقی و ادبی تقریریں، نظم خوانی اور بیت بازی کے موثر مقابلے ہوئے اور اس کے اثر سے طلبہ میں دینی ذوق علمی انہماک اور منتخب و موثر اشعار سے ایک لگاؤ پیدا ہوا۔ طلبہ کی تندرستی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اساتذہ کی نگرانی میں روزانہ کھیل کود اور ڈرل کی مشق کرائی جاتی ہے جو طلبہ کے ذہنی اور جسمانی نشاط کے لئے بہت مفید اور موثر ثابت ہوئی۔

آخر سال طلبہ میں تقریری، نظم خوانی اور بیت بازی کے مقابلے بھی ہوئے جن میں اول، دوم، سوم آنیوالے طلبہ کو انعامات دیئے گئے کھیل کود وغیرہ کے مقابلے بھی ہوئے۔

نومبر کے آخر ہفتے میں مدرسہ ثانویہ کے دو طالب علم حافظ محمد طاہر و حافظ ابوذر متعلمان درجہ ششم نے اسلامیہ کالج میں ہونے والے صوبائی مقابلہ میں سیرت کی تقریر پر اول و دوم انعام حاصل کیا۔

۴ دسمبر ۱۹۶۴ء یوم جمعہ کو مدرسہ ثانویہ کیطرف سے سلیمانیہ ہال میں زیر صدارت حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صاحب تقسیم انعامات کا ایک جلسہ ہوا جس میں دار العلوم کے سارے اساتذہ نے شرکت فرما کر طلبائے مدرسہ ثانویہ کی ہمت افزائی کی طلبہ کو انعامات حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ نے اپنے ہاتھ سے تقسیم فرمایا اور آخر میں اپنی روح پرور نصائح سے مستفیض فرمایا۔

دار العلوم میں امتحان سالانہ

۴ شعبان ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر سے دار العلوم کا سالانہ امتحان شروع ہو رہا ہے جو ۲۲ دسمبر ۱۸ شعبان تک مسلسل جاری رہے گا۔ اس کے بعد دار العلوم میں سالانہ تعطیل ہو جائیگی اور شوال ۱۳۸۴ھ میں حسب دستور پھر دار العلوم کھل جائے گا۔

بقیہ دیار غیر میں ....!

مقبولیت اللہ کا انعام ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی رئیس یا دولت مند شخص ہزاروں پونڈ خرچ کرنے کے بعد بھی نہ تو اس درجہ آرام پا سکتا ہے اور نہ اس کی عزت ہو سکتی ہے جو محض اللہ تعالےٰ کے کرم سے ایک چٹائی پر بیٹھنے والے عالم دین کو وہاں حاصل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یونیورسٹیوں کے اساتذہ۔ اسلامک سنٹر کے ڈائرکٹر، بی بی سی کے نمائندے ملنے آتے، اپنے یہاں دعوتیں دیتے، افریقی عرب اور ہندی طلبہ گھیرے رہتے۔ برمنگھم اور مانچسٹر سے لوگ سفر کرکے ملنے آتے۔ اور ایک دینی فضا قائم ہو گئی۔ مولانا مدظلہٗ نے لندن یونیورسٹی کے یونین میں تقریر کی۔ آکسفورڈ، کیمبرج اور مانچسٹر کے اساتذہ سے ملے، طلبہ کو ہر جگہ تقریباً خطاب کیا۔ میں نے لندن کو مولانا کے آنے کے پہلے گویا دیکھا ہی نہ تھا۔ سوائے نیشنل گیلری اور برٹش میوزیم کے کہیں نہیں گیا تھا۔ مگر مولانا مدظلہٗ کے ساتھ تمام عجائب خانوں ہسٹری میوزیم اور کون کون سے میوزیم سب ایک دو دن میں جا کر دیکھ آئے۔ لندن میں مقیم مسلم شخصیات کا بھی تعارف اسی موقع پر ہوا۔ مولانا جب لندن سے اسپین جانے کی تیاری میں مصروف ہوئے تو مجھ کو ناچار جدہ واپس آنا پڑا، اور باوجود دلی خواہش کے رفاقت سے محروم رہا۔

(باقی آئندہ)

خوشخبری

لکھنؤ میں — اسپشل میزان زردہ

کل ہند صنعتی مقابلہ زردہ سازی میں انعام پانیوالے

اسپشل میزان زردہ رجسٹرڈ کی نسبت

لکھنؤ کے باذوق حضرات کا بیان ہے کہ اسپشل میزان زردہ ہندستان کے تمام زردوں میں ممتاز ذائقہ رکھتا ہے جسکے استعمال سے شاہان دکن اور شاہان اودھ کے معیار ذوق کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ فنی اصول پر تیار ہونیوالے اسپشل میزان زردہ میں تمباکو کے مضرات کو مصلح اجزا کی آمیزش سے اسطرح مرکب کیا گیا ہے کہ زہر کو تریاق میں بدلنے کا مقولہ یاد آجاتا ہے۔ لکھنؤ کے شائقین میزان زردہ کی سہولت کیلئے عنقریب لکھنؤ میں اسٹاکسٹ کا انتظام کیا جا رہا ہے مطلع رہیں

المشتہر

سیل ڈپو، میزان زردہ فیکٹری حیدرآباد (اے۔پی)